کلیات

مراثی جوش ملیح آبادی



مؤلف

ڈاکٹر عصمت ملیح آبادی

کلیات

مراثیِ جوشؔ ملیح آبادی

مؤلف:
ڈاکٹر عصمتؔ ملیح آبادی

فہرست

شاعری میں مرثیئے کی اہمیت

اُردو شاعری میں واقعاتِ کربلا کو بنیاد بنا کر مرثئے کہے گئے ہیں۔ وہ المناک حادثہ جو کربلا میں پیش آیا تھا اور جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان مظالم کا شکار ہوا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے حضرت حسین شہید کردیئے گئے تھے۔ اُردو شاعری کا ایک مستقل عنوان ہے۔

کربلا کے واقعے کے بعد یزید کی اموی حکومت نے ملک پر کنٹرول حاصل کرلیا لیکن جو لوگ اموی حکومت کے مخالف تھے اور کربلا کے مظالم کا انتقام لینا چاہتے تھے انہوں نے کربلا کے ظلم وجور کو بنیاد بنا کر بنی اُمیہ کے خلاف بغاوت کرنے اور اموی حکومت کو ختم کر کے آل رسول کی حکومت قائم کرنے کے لئے خفیہ تنظیم کی بنیاد ڈالی۔

اس تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے ضروری تھا کہ واقعات کربلا کا زیادہ سے زیادہ پروپیگنڈہ کیا جاتا اور مسلمانوں کو بار بار اس ظلم کی یاددہانی کرائی جاتی جو کربلا میں خاندانِ رسالت پرڈھایا گیا تھا۔

یہ پورا واقعہ حادثہ، سانحہ اور المیہ عربوں سے تعلق رکھتا تھا۔ ایسے تمام حادثوں کو زندہ اوران کی یاد کو تازہ رکھنے کے لئے عرب روایات میں شاعری سے کام لیا جاتا تھا۔ عہد جاہلیت میں بھی عرب اپنے مقتولوں کو یادرکھنے کے لئے شاعری سے کام لیتے تھے۔ عہد رسالت میں شہدائے اسلام کے بارے میں

شاعری سے کام لیا گیا ہے۔ اس شاعری کو عربوں نے ''مرثیہ'' کا نام دیا ہے۔ وہی روایت ہماری اُردو شاعری میں بھی مرثیہ کے نام سے زندہ رہی ہے لیکن اُردو شاعری میں ہر شخص کی موت پر کہے جانے والے اشعار کو مرثیہ نہیں کہتے۔ ہماری شاعری میں مرثیہ، واقعاتِ کربلا اور شہدائے کربلا کے سلسلے میں کی جانے والی شاعری کو کہتے ہیں۔

''عربی میں مرثیہ کی روایت'' (عہد جاہلیت میں)

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ نبوت سے پہلے کے زمانے کو عہد جاہلیت کہا جاتا ہے۔ اس زمانے کے شاعروں نے اپنے مقتولوں اور مرنے والوں کی خصوصیات، صفات، شجاعت، مہمان نوازی، غربا پروری اور قبیلے کی پشت پناہی کا ذکر کر کے اظہارِ غم کیا ہے۔

ابن الذبیہ ثقفی نے اہل یمن پر حبشیوں کے حملے اور یمنیوں کی تباہی پر مرثیہ کہا ہے۔ اس جنگ میں یمن کے حاکم ذونواس کو شکست ہوگئی تھی اور وہ سمندر میں ڈوب کر ہلاک ہوگیا تھا۔

اس کا مرثیہ یہ ہے:

''تیری جان کی قسم، ایک جواں مرد کے لئے کہیں سکون و قرار نہیں، جس کے پیچھے بڑھاپا بھی لگا ہوا ہے اور موت بھی۔

کیا مقاماتِ عبرت میں صبح کے وقت حمیر کے قبیلے والوں کے ہلاک و برباد ہونے کے بعد بھی کسی کو سکون و قرار کی اُمید ہے۔

وہ حمیری جن کی تباہی لاکھوں جنگ جوؤں کے ہاتھوں ہوئی جو بارش سے کچھ پہلے چھا جانے والے بادل کی طرح چھا گئے تھے۔

جن کے نعرے اور شور غل نے تھان پر بندھے ہوئے گھوڑوں کو بہرا بنا دیا تھا اور جن سے حمیری مقابلہ کر رہے تھے۔ بدبودار حبشی انہیں بھگا رہے تھے۔ یا زرہ بکتر کی زیادتی اور اسلحہ کی کثرت سے مرعوب ہو کر وہ خود فرار ہو رہے تھے۔

یہ غولِ بیابانی، شمار میں گرد کے ذرات کی طرح تھا۔ ان کی کثرت سے درختوں کی چھال ختم ہوگئی تھی''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کی وفات پر ایک عرب شاعر نے مرثیہ کہا۔ عبد مناف عرف مغیرہ کے بیٹے کا نام ہاشم تھا۔ ہاشم کا انتقال شام کے شہر غزہ میں ہوا۔ ہاشم کے بیٹے عبدالمطلب نے بڑی شہرت حاصل کی، انہوں نے یمن کے شہر رومان میں وفات پائی۔

ان کا مرثیہ یہ ہے:

چھلکتے اور لبریز پیالے پینے کے بعد حاجی عبدالمطلب کے مرنے کے بعد پیاسے ہوگئے۔ کاش قریش کسی ایک جھنڈے پر متفق ہو جائیں۔

مطرود بن کعب خزاعی نے عبد مناف کے بیٹے نوفل اور پوتے عبدالمطلب کا مرثیہ کہا۔

''اے سخت راتوں کی ایک رات تو نے بہت سی راتوں کو غم اور پریشانی میں گزارنے پر مجبور کر دیا''۔

اے وائے، وہ غم اندوہ جو میں جھیل رہا ہوں اور اے وہ موت جن کی تکلیف میں برداشت کر رہا ہوں۔

جب میں اپنے بھائی نوفل کو یاد کرتا اس کی یاد مجھے بہت سے گزرے ہوؤں کی یاد دلاتی ہے۔

چار شخص ایسے تھے جو سب کے سب سردار تھے اور سرداروں کی اولاد تھے۔

وہ میت جو مقام رومان میں گاڑی گئی (المطلب) اور وہ لاش جو مقام سلمان میں دفن ہے۔ (نوفل) اور وہ جو مقام غزہ میں توپی گئی (ہاشم) اور وہ لاش جو اس لحد میں اتاری گئی جو کعبۃ اللہ کے مشرق میں ہے۔ (عبد شمس) ان سب کا اصل اور ان سب میں ممتاز ہستی عبد مناف کعب کی ہے لیکن وہ سب کے سب برائی کرنے والوں کی علامت سے بلند و بالا ہیں۔

بنی جعفر اور اس کے قبیلے کے لڑکے زندوں اور مردوں سے بہترین ہیں۔

حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب نے قبول اسلام سے پہلے اپنے باپ کا مرثیہ کہا۔

"میرے آنسو میرے رخساروں پر ڈھلکنے والے موتیوں کی طرح بہنے لگے۔ اس شریف شخص پر جو دوسروں کے نسب میں ملنے کا جھوٹا دعویدار نہ تھا جسے مخلوقِ خدا پر نمایاں فوقیت حاصل تھی۔

شیبہ پر جو بڑا فیاض تھا اور بلند مرتبے والا۔ اپنے باپ پر جو ہر قسم کی سخاوت کرنے والا تھا۔

اس پر جو جنگ کے میدان میں خوب لڑنے والا اپنے ہمسروں سے کسی بات میں پیچھے نہ رہنے والا نہ کم مرتبہ نہ دوسروں کے نسب میں مل جانے والا۔

اس پر جو بہت ہی کشادہ، عجیب حسن و شجاعت والا بھاری بھرکم گھرانے کا قابل تعریف سردار تھا۔

اس پر جو عالی خاندان روشن چہرہ۔ طرح طرح کے فضائل والا۔ قحط سالی میں لوگوں کا فریادرس۔

اس پر جو اعلیٰ شان والا، ننگ و عار سے بری، سرداروں اور خادموں پر فضل

و کرم کرنے والا۔

اس پر جو بڑے علم والا اور سخی لوگوں میں ایک فرد دوسروں کا بوجھ اٹھانے والا سردار شیروں کے لئے پشت پناہ تھا۔

اگر کوئی شخص اپنی دیرینہ عزت و شان کے سبب ہمیشہ زندہ رہ سکتا تھا تو وہ اپنی فضیلت و شان اور دیرینہ خاندانی وقار کے سبب زمانے کی انتہا تک زندہ رہتا لیکن ہمیشہ کی زندگی کی طرف تو کوئی راستہ ہی نہیں جاتا"۔ (سیرت ابن ہشام)

عبدالمطلب پر بہت سے مرثیے کہے گئے ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں۔ برہ بنت عبدالمطلب۔ عاتکہ بنت عبدالمطلب۔ اُمّ حکیم بنت عبدالمطلب۔ اُمیہ بنت عبدالمطلب۔ اروٰی بنت عبدالمطلب اور دیگر عرب شعراء۔

مرثیہ عہد رسالت میں

قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت پر مجبور کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے مدینہ چلے گئے۔ ہجرت کے دوسرے سال بدر کے مقام پر قریش اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی جنگ ہوئی، اس جنگ میں قریش کے بڑے بڑے سردار مارے گئے یا گرفتار کر لئے گئے۔ مکہ اور قبائلِ عرب میں بڑا ماتم کیا گیا لیکن سردارانِ مکہ نے حکم دیا کہ کوئی شخص نہ ماتم کرے گا اور نہ مرثیہ کہے گا۔ کیونکہ اس سے مدینے کے مسلمان خوش ہوں گے۔ اسود بن عبدالمطلب کے دو لڑکے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچیرے بھائی مسلمانوں کی قید میں تھے۔ ایک پوتا بھی قید تھا۔ لڑکوں کے نام زمعہ اور عقیل تھے۔ زمعہ کا لڑکا حارث تھا۔ اسود چیخ کر رونے کے لئے بےچین تھا لیکن قوم کے حکم کی وجہ سے اندر ہی اندر گھٹ رہا تھا۔ ایک رات اس نے کسی عورت کے رونے کی آواز سنی۔ خود اندھا تھا

اس لئے کسی سے کہا کہ جا کر معلوم کر کیا رونے کی اجازت ہوگئی ہے؟ جانے والے نے واپس آ کر کہا ایک عورت رو رہی ہے۔ کیونکہ اس کا اونٹ گم ہوگیا ہے۔

اسود بے چین ہوگیا اور پھر اس نے بدر کے کافر مقتولوں اور قیدیوں پر پہلا مرثیہ کہا۔

کیا وہ اپنے ایک اونٹ کے کھو جانے پر رو رہی ہے اور بے خوابی اسے نیند آنے سے روک رہی ہے۔

اے عورت جوان اونٹ کے کھو جانے پر مت رو بلکہ بدر کے واقعے پر رو جس روز ہماری قسمت پھوٹ گئی۔

بدر پر رو۔ بنی ھصیص کے بہترین فرزندوں پر رو، بنی مخزوم پر رو اور ابوالولید کی جماعت پر رو۔ اور اگر تجھے رونا ہے تو عقیل پر رو اور حارث پر رو جو شیروں کا شیر تھا۔ اور ان سب پر رو۔ رونے سے کبھی نہ تھک اور ابو حکیمہ کا تو کوئی مد مقابل ہی نہ تھا"۔

جنگ بدر میں حضرت عبیدہ بن الحارث زخمی ہو کر شہید ہوگئے۔ ان کا مرثیہ حضرت کعب بن مالک انصاری نے کہا۔

اے آنکھ اپنے آنسوؤں سے سخاوت کر کہ ان کے لئے یہی مناسب ہے اور بخل اور کوتاہی نہ کر۔ ایسے سردار پر جس کی موت نے ہمیں نڈھال کر دیا۔ جو نسب اور جنگی کارناموں کی وجہ سے نہایت شریف تھا۔

پیش قدمی کرنے میں جری، تیز ہتھیار والا، بہترین قوتوں والا، تلاش اور تجربے کے بعد بھی بہترین ثابت ہونے والا۔

عبیدہ پر رو جو شام کو ایسی حالت میں ہوگیا ہے کہ ہم پر خوش حالی آئے یا بدحالی ہم اس سے کوئی اُمید نہیں رکھ سکتے، حالانکہ جنگ کی صبح وہ اپنی تلوار سے لشکر کی حمایت میں مصروف تھا"۔

جنگ بدر کی شکست کا انتقام لینے کے لئے قریش نے دوسری لڑائی مدینہ کے قریب احد کی وادی میں لڑی۔ اس جنگ میں لگ بھگ ستر صحابہ شہید ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی زخم آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ بھی وحشی نام کے ایک حبشی غلام کے نیزے سے شہید ہوگئے۔

حضرت کعب بن مالک انصاری نے حضرت حمزہ اور شہدائے احد کا مرثیہ کہا۔ "ہماری قوم کے مقتول جنت نعیم میں پہنچے ہیں جہاں آنے جانے کے دروازے بہت ہی خوبصورت ہیں۔

یہ اس لئے جنت میں پہنچے ہیں کہ انہوں نے وادی احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کے نیچے اس وقت صبر و استقلال سے کام لیا جب اوس اور خزرج کے لوگوں نے اور اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے صحابہ نے اپنی تلواروں سے کفار کا جواب دیا تھا اور یہ سب مسلمان واضح اور روشن حق کی پیروی کر رہے تھے۔

حمزہ جب انہوں نے ہڈیوں کو کاٹ دینے والی تلوار سے وفاداری کا حق ادا کر دیا تو بنی نوفل کا وہ غلام (وحشی) ان کے مقابلے پر آیا جو سیاہ اونٹ کی طرح بلبلا رہا تھا۔ اس غلام نے شعلۂ آتش کی مانند نیزہ حضرت حمزہ کے سینے پر پھینک کر مار دیا۔ یہ ایسا شعلہ تھا جو بھڑکتی ہوئی جنگ کی آگ میں بہت زیادہ مشتعل ہو رہا تھا"۔

انہوں نے حق سے منہ نہ موڑا، یہاں تک کہ ان کی روح ایک ایسے مقام پر پہنچ گئی جس کے نقش ونگار قابل فخر ہیں"۔

اے کافرو، یہ شہید مسلمان تمہارے ان لوگوں کی طرح نہیں ہیں جنہوں نے جہنم کے اس نچلے حصے میں اپنا ٹھکانہ بنایا جہاں چاروں طرف سے بندھے ہوئے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال بھی مسلمانوں کے لئے ایک بہت بڑی مصیبت تھا۔ بہت سے لوگ تو اس بات کو ماننے کے لئے تیار ہی نہیں تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال بھی ہوسکتا ہے۔ اس مشترکہ مصیبت کے وقت مسلمانوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال پر مرثیے کہے ہیں۔ حضرت حسان بن ثابت کے کئی مرثیے ملتے ہیں۔ حضرت علی نے بھی مرثیہ کہا ہے، حضرت حسان بن ثابت کہتے ہیں:

"تیری آنکھ کو کیا ہوگیا ہے جیسے کہ اسے نیند ہی نہیں آتی۔ اس ہادی ومہدی صلی اللہ علیہ وسلم پر آہ وبکا کرنے کی وجہ سے جو اپنے ٹھکانے پر چلا گیا ہے، اے وہ ہستی جس نے اس زمین کو چل کر بار بار روندہ ہے تجھ سے دور نہ ہو۔

میرا چہرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مٹی سے بچائے۔ افسوس، کاش میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہی جنت البقیع میں دفن کردیا گیا ہوتا۔

اس ہدایت یافتہ نبی پر میری ماں باپ قربان، جس کی وفات دوشنبہ کو میرے سامنے ہوگئی۔ اس لئے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حیران وششدر رہوں اور ادھر ادھر دیکھتا پھرتا ہوں۔ اے کاش میں پیدا ہی نہ ہوتا۔

کیا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر مدینہ میں لوگوں کے درمیان رہ

سکوں گا۔ اے کاش صبح صبح کالے ناگوں کا زہر پلا دیا گیا ہوتا۔

یا آج کی شام یا کل شام اللہ کا حکم میرے لئے نازل ہوجائے۔ پھر ہمارا وقت آجائے اور ہم اس پاک وطیب ہستی سے جا کر مل جائیں جس کی فطرت خالص اور جس کی اصل شریف ہے"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری بیٹی حضرت فاطمہ کی وفات پر ان کے شوہر حضرت علی نے مرثیہ کہا:

"میں دیکھتا ہوں کہ دُنیا کی بیماریوں اور مصائب نے مجھے چاروں طرف سے آگھیرا ہے۔ ہر ملاقات کے بعد دوستوں میں جدائی ضروری ہے۔ اور وہ زمانہ جو جدائی کے بعد ہوتا ہے وہ مختصر ہوتا ہے۔ احمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد فاطمہؓ کی مفارقت اس بات کی دلیل ہے کہ دوست ہمیشہ نہیں رہتا"۔

حضرت فاطمہ زہرہ نے رسول اللہ کی وفات پر مرثیہ کہا "جو شخص احمد کی تربت کی مٹی ایک بار سونگھ لے اس پر لازم ہے کہ پھر کبھی خوشبو نہ سونگھے۔

مجھ پر اتنی مصیبتیں پڑی ہیں کہ اگر دنوں پر پڑتیں تو وہ راتوں میں تبدیل ہوجاتے۔ افق غبار آلود ہوگیا۔ سورج لپیٹ دیا گیا اور زمانہ تاریک ہوگیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد زمین غمگین وحزیں ہوگئی۔ چاہے آپ مشرق ومغرب کے رہنے والے ہوں، چاہے اہل مصر اور اہل یمن۔ سب کو چاہئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر آنسو بہائیں۔

اے ختم رُسل صلی اللہ علیہ وسلم جس پر قرآن اُترا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ کی رحمت نازل ہو۔

اس طرح عہد جاہلیت کے مرثیہ کی ادبی روایت، عہد رسالت میں برقرار

رہی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بھی برقرار رہی۔

(تمام حوالے سیرت ابن ہشام سے ماخوذ ہیں، صرف حضرت علی کا مرثیہ، عبدالروف عروج کی کتاب اُردو مرثیہ کے پانچ سو سال سے لیا گیا ہے)

وصال نبوی کے بعد تاریخ اسلام میں کربلا کا اہم واقعہ پیش آیا۔ ایسا واقعہ جس نے پوری دُنیائے اسلام کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور پچھلے چودہ سو سال میں اس کی اہمیت کبھی کم نہیں ہوئی ہے۔ اس واقعے سے مسلمانوں کی سیاسی اور مذہبی زندگی پر بھی گہرا اثر پڑا۔ کربلا کے نام پر کتنی ہی تحریکیں چلائی گئیں اور کتنی ہی حکومتیں بنتی اور بگڑتی رہیں۔ اس وقت میرا موضوع اُردو شاعری میں مرثیہ کی اہمیت پر ایک نظر ڈالنا ہے۔ اس اہمیت پر جس کا تعلق صرف شاعری سے ہے۔

اُردو میں مرثیہ نگاری

اُردو عربوں کی زبان نہیں ہے۔ ایرانیوں، ترکوں اور افغانوں کی بھی زبان نہیں ہے۔ یہ قومیں مشترکہ مذہب اسلام کی ماننے والی تھیں لیکن ان کی زبان ایک نہیں تھی۔ ان کے اپنے قومی مراسم بھی الگ الگ تھے۔ جنہیں اسلام نے صرف اس حد تک روک دیا تھا جس سے شرک اور کفر اور بداخلاقی کا تعلق تھا۔ یہ زبانیں اور ان کے ساتھ ہندوستان کی مقامی زبانیں سب ملکر ہندوستان کی انتظامیہ اور قومی حکومت کی ضرورت بن گئیں۔ یہاں غلام خاندان کی ہندوستانی حکومت میں حکمراں طبقے کا تعلق ترکوں اور افغانوں سے تھا۔ افغانوں کا وہ علاقہ جو فارسی بولتا تھا غلام خاندان میں اہمیت رکھتا تھا۔ حکومت کی روزمرہ کی زبان ترکی اور فارسی سے ملی جلی زبان تھی۔ فارسی غالب تھی لیکن روزمرہ کے استعمال میں ترکی کے ہزاروں الفاظ فارسی میں شامل ہوتے چلے جا رہے تھے۔ ساتھ ہی

مذہبی تقاریب اور عبادات کے سلسلے سے عربی کے الفاظ اور تراکیب بھی روزمرہ کی زندگی کا جز بن گئے تھے۔

حکومت کے ساتھ ہندوستان میں رہنے والوں کو بھی حکمراں طبقے میں شامل ہونے کا موقع ملا۔ انتظامیہ اور فوجی زندگی میں مقامی زبانیں جاننے والے ہندوستانی بھی داخل ہوئے۔ اس طرح اعلیٰ طبقے میں ترکی، فارسی، عربی اور ہندوستانی مقامی بولیوں کا اتصال ہوا۔ بنیادی طور پر ادبی زبان فارسی رہی لیکن بازار اور ضرورت کی زبان ایسی بن گئی جس کا سمجھنا کسی خالص ایرانی کے لئے مشکل تھا۔ یہی زمانہ ہے جب فارسی ادیبوں نے یہ فیصلہ دے دیا تھا کہ ہندوستان کے فارسی داں فارسی زبان کے طفل مکتب ہی سمجھے جاسکتے ہیں۔ ان کی ادبی اہمیت کو (فارسی میں) تسلیم کرنے کے لئے سخندان فارس تیار نہیں تھے۔ سبب یہی تھا کہ ہندوستانی فارسی کا چہرہ اتنا بدل گیا تھا کہ ایرانی اسے پہچاننے میں دقت محسوس کرتے تھے۔

یہ بدلتا ہوا چہرہ جب افغانی سرداروں سے اور دور ہٹا اور تازہ دم فارسی اور ترکی اور پشتو اور پنجابی زبان کے ادیبوں اور زبان دانوں سے دور ہوکر ہندوستان کے جنوبی اور مشرقی علاقوں میں چلا گیا تو فارسی، ترکی اور پشتو اور شمالی ہندوستان کی مقامی بولیوں کے الفاظ اور تراکیب کا اثر اور کم ہوتا چلا گیا۔ جنوب میں دکھنی زبانوں نے شمالی ہند کی زبان پر دھاوا بولا اور پورب میں اودھ بہار اور بنگال کی زبانوں کا غلبہ ہوا۔ ادبی تاریخ میں یہ نئی زبان کب لکھی گئی اگر اس کا تعین ہو سکے تو ہم اس کا نام اُردو رکھ کر اُردو کی صحیح تاریخ لکھ سکتے ہیں۔ اس لئے کہ محمد بن قاسم کے ساتھ آنے والی عربی سے ہندوستان کی سندھی اور راجستھانی اور کشمیری کا

پہلا اتصال ۹۳ھ سے شروع ہوگیا تھا لیکن اس طرح عربی کی جو صورت بگڑی تھی وہ بول چال سے آگے بڑھ کر تحریر میں نہیں آئی اور جب تک کوئی زبان تحریر میں نہیں آتی اس وقت تک اس کی کوئی تاریخ نہیں ہوتی۔

یہ بولی جانے والی غیر عربی اور غیر ہندوستانی زبان ۱۰۰۸ء-۳۹۹ھ سے محمود غزنوی کے آخری حملے تک ملتان سے راجستھان کی سرحدوں تک بولی جاتی رہی ہوگی لیکن غزنوی کے حملوں کے بعد نئی زبانیں۔ ترکی پشتو، فارسی اور عربی کا دائرہ بہت وسیع ہوگیا۔ وہ کشمیر سے ہوتی ہوئی موجودہ ہماچل پردیش سے اتر کر متھرا کے پاس سے سیدھی کالنجر سے دہلی ہوکر گجرات کے شہر سومناتھ تک جاکر سیدھی شمال میں پنجاب ہوکر غزنی چلی جاتی ہیں۔

غزنوی کے حملے کے بعد ایک سو سال تک یہ زبان لاہور کے ذریعہ سے شمالی ہندوستان میں ترسیل ہوتی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ شہاب الدین غوری کے فارسی اور پشتو بولنے والے سپاہی لاہور سے آگے نکل جاتے ہیں اور تیر کی طرح راجستھان میں اجمیر تک اور اجمیر سے قنوج، لکھنؤ اور متھرا ہوتے ہوئے دہلی کو مرکز بنا لیتے ہیں۔ (۱۱۹۲- سے ۱۱۹۳ء تک)۔

غوری کے بعد اس کے غلام جانشین قطب الدین ایبک نے دہلی کو ہندوستان کی پہلی راجدھانی بنا کر جنوب میں رائے سین تک اور مشرق میں بنگال تک اپنی حکومت اور زبان کو پھیلا دیا۔

اس پورے دور میں تمام دیسی زبانیں ایک دوسرے میں شامل ہوتی رہیں۔ بازاروں اور روزمرہ کی ضرورتوں میں مشترکہ زبان اپنا فرض انجام دیتی رہی لیکن تحریر یا ادب یا دربار یا عبادت میں اس کو کوئی جگہ نہیں ملی تھی۔

اسی زبان کو ہم تحریری صورت میں سب سے پہلے دکن میں دیکھتے ہیں۔ یہ فارسی رسم الخط میں لکھی گئی اور اس کے لئے اس دور کی سبھی زبانوں کے اصلی اور بگڑے ہوئے الفاظ ملا کر ایک زبان بنائی گئی اور اس زبان کا نام ''دکنی'' رکھا گیا۔ یہ زبان دکن کے سبھی باشندے بولتے تھے اور خیال کا یہی ذریعہ بن گئی تھی۔ مقامی زبانیں بھی زندہ رہیں کیونکہ انہیں فنا کرنے کی کوشش نہیں کی گئی لیکن مشترکہ زبان دکنی سبھی کے اظہار خیال اور آپسی لین دین کا ذریعہ تھی۔

ہمارے موضوع کی مناسبت سے یہ بہت اہم ہے کہ جیسے ہی اس نئی زبان نے آنکھیں کھولیں اور اس بچی کی زبان پھوٹی اس نے مرثیے کو اپنا موضوع بنالیا۔ ہمارے پاس سب سے پہلا مرثیہ ایک نظم کی صورت میں موجود ہے۔ جو اشرف نے بہمنی حکومت کے زمانے میں ''مثنوی نوسرہار'' کے نام سے ۱۵۰۳ء میں کہی ہے۔ یہ واقعات کربلا پر ایک نظم ہے لیکن ہم مرثیہ کی تعریف میں جس کلام کا ذکر کرسکتے ہیں وہ گول کنڈہ کے حکمراں محمد قلی قطب شاہ (۱۵۵۰ء) کا دیوان ہے جس میں واقعاتِ کربلا پر براہِ راست مرثئے لکھے گئے ہیں۔ اس وقت دکنی زبان جو اردو کی ابتدائی تحریری زبان ہے اس طرح بولی اور لکھی جاتی تھی۔

قلی قطب شاہ کے مرثئے کا نمونہ۔

''دو جگ'' اماماں دُکھ تے، سب جیو کرتے زاری ہائے ہائے۔

تن روں کی کڑیاں جان کر کرتی ہیں خواری ہائے ہائے۔

اسی دور میں دوسرے شاعر ملا وجہی دکنی ہیں، لکھتے ہیں۔

حسین کا غم کرو عزیزاں

رنجو میں سوں جھڑو عزیزاں

بنا جو اوّل ہے غم کا
عرش لگن مہور دھرت ہلایا"

خواصی دکنی نے لکھا۔

دستانیں کروں کیا بیاں کربلا کا
پھرتا ہوں، زار ہوں میں حیراں کربلا کا
خواصیا معطر عالم کو سب کیا ہے
گویا یہ مرثیہ ہے ایمان کربلا کا

نصرتی لکھتا ہے۔

یہ ساقی کوثرا ہے جنت کی طرف رہبرا ہے
داماد پیمبرا ہے، ہوازسوں سہ نار کا
رونا مور خیرالنساء خاتونِ جنت فاطمہ
ہر حور جس خدمت کرے لے بھیں خدمت گار کا

قطب شاہ وجہی، خواصی، نصرتی اوران کے دوسرے ہم عصر شعراء کا زمانہ ۱۰۰۱ھ سے ۱۱۰۰ھ تک ہے لیکن جب ہم ۱۱۰۱ھ کے بعد کے دکنی شعراء کے مرثیوں کی زبان دیکھتے ہیں تو وہ ترقی یافتہ اُردو کی طرف کئی قدم آگے بڑھ چکی ہے۔

محمد قلی قطب شاہ کے تقریباً پچاس سال بعد دورِ عادل شاہی میں ایک مرثیہ گو مرزا ہوا ہے جس نے شہدائے کربلا کی عظمت کے بیان میں اپنی ساری زندگی اور صلاحیت صرف کردی۔ اس نے نعت بھی کہی، منقبت بھی اور مراثی بھی۔ بزرگانِ دین کے علاوہ کسی کے لئے شعر کہنا وہ اپنے مرتبے کے خلاف سمجھتا تھا،

اس کا مرثیہ سننے کے لئے ہزاروں افراد جمع ہو جاتے تھے اور وہ جوشِ خطابت میں فی البدیہہ شعر کہنے لگتا تھا۔ اس کے مرثیوں میں تسلسل کے ساتھ ساتھ زبان میں بھی کسی حد تک روانی آ گئی ہے، کہتا ہے۔

خر یو سن بولے کے اے مردود دُنیا ہیچ ہے
اس طمع اور اس طلب کے بیچ میں کئی پیچ ہے
تو نہ پڑ دھوکے میں دُنیا قلزم خوں ناب ہے
موج تمنے ہو کنارے یو طلب گرداب ہے
مصطفےٰ کی آل کی کشتی میں کیوں دیوے حذر
مصطفےٰ ایسا معلم ہوئے جس کشتی اوپر

اس دور کے دوسرے شعراء فرماتے ہیں۔

محشر میں جب محمد شاہِ زمن اٹھیں گے
سب انبیائے مرسل پر غم حزن اٹھیں گے
حیدر علی لہو سو آلود تن اٹھیں گے
بہتے لہو کی ہلکاں ہے ہے حسن اٹھیں گے
(امامی دکنی)

آج پرخوں کفن ترا اصغر
آج سوکھا دہن ترا اصغر
لال ہے گل بدن ترا اصغر
حیف یو بال پن ترا اصغر
(ہاشم علی)

غم سوں ہے بے قرار میرا دل

ناسخ، میر، مصحفی، جرأت، غلام حسین ضاحک اور فقیر محمد خان گویا نے مرثیے کے موضوع کو وسعت عطا کی۔ ان استادوں کی سنواری اور آراستہ کی ہوئی اُردو اور مرثیے کی زمین کو یکا یک لکھنؤ کے مرثیہ گو شعراء نے آسمان بنا دیا۔ میاں دلگیر میر ضمیر، مرزا فصیح، میر خلیق اور میر حسن نے مرثیے کو جو نیا رنگ دیا تھا اسے میر انیس اور مرزا دبیر نے اُردو شاعری کے گلستان میں ایک خوشنما اور ہر طرح سے آراستہ چمن میں تبدیل کر دیا۔ یہاں اُردو زبان نے اظہار خیال کی طاقت میں دُنیا کی تمام ترقی یافتہ زبانوں کو مقابلے کی دعوت دی اور یونان کی رزمیہ شاعری سے لے کر شاہ نامہ فردوسی، مہابھارت اور رامائن کی حریف بن کر کھڑی ہو گئی۔

میر خلیق و ضمیر کا نام مرثیہ نگاری میں ہمیشہ یادگار رہے گا، ان عظیم شاعروں نے مرثیے کو ایک نیا اور تاریخی موڑ دیا اور مرثیے کے اجزائے ترکیبی کا آغاز کیا جس نے مرثیے کی خوبیوں کو تواتر کے ساتھ ابھرنے کا موقع فراہم کیا۔

اجزائے ترکیبی میں چہرہ، رخصت رجز، رزم، وصف نگاری، شہادت اور بین کو شامل کیا جاتا ہے۔

سراپا چہرہ

مرثیے کی ابتداء میں شاعر، باغ کی بہار، صبح کا بیان، منظر نگاری، دریا کی روانی، سبزے کی لہلہاہٹ، پھولوں کی خوشبو، گرمی کا بیان، جاڑے کی ٹھنڈک نسیم سحری کے جھونکے، جھرنوں کی مترنم آوازیں وغیرہ کا بیان کرتا ہے۔

رخصت: مرثیے کی اس منزل میں مقابل اپنے حریف سے مقابلہ کرنے جاتے وقت بزرگوں سے اجازت لیتا ہے۔

رجز: اس مقام پر سپاہی اپنے بزرگوں کی عظمت اور اپنی خاندانی

شجاعت بیان کرتا ہے تا کہ دشمن مشتعل ہو کر خوفزدہ ہو جائے۔

رزم: یہاں شاعر میدانِ جنگ کی منظر کشی کرتا ہے۔

وصف نگاری: وصف نگاری میں شاعر تلوار اور گھوڑے کی تعریف میں اشعار کہتا ہے۔

شہادت: یہاں شہید کی خصوصیات اس کی پریشانیاں اور مصائب بیان کئے جاتے ہیں۔

بین: بین مرثیے کا سب سے اہم حصہ ہے۔ اس میں شہدائے کربلا کے مصائب بیان کر کے سامعین و قارئین کو رلانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

اتنی اصلاح و ترقی کے بعد مرثیہ ایک موضوع نہیں رہا بلکہ ایک دبستان ہو گیا جس کے اندر سیکڑوں انداز سے آفتاب طلوع ہو رہا تھا، غروب ہو رہا تھا، پانی بند تھا، بہہ رہا تھا، موجیں مار رہا تھا، پانی پانی ہو رہا تھا، صحرا کی تپتی ہوئی دوپہر تھی، راتوں کی پر کیف ہوا تھی۔ سہرے بندھ رہے تھے، مہندی لگ رہی تھی، خون کے دریا بہہ رہے تھے، تلوار اپنے جوہر دکھا رہی تھی۔ گھوڑے ٹاپیں مار رہے تھے۔ تیر سنسنا رہے تھے، نیزے چمک رہے تھے، زرہ پارہ پارہ ہو رہی تھی۔ خود کٹ کر گر رہے تھے۔ زندگی کی کوئی قیمت نہ تھی۔ زندگی کا ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔ جیداری اور شجاعت تھی اور تسلیم و رضا تھی، رزم کے لرزہ دینے والے مناظر تھے۔ بزم کے سکونِ قلب عطا کرنے والے کردار تھے۔ یعنی مرگ و حیات و کائنات کے تمام مسائل کو مرثیے نے اپنے دامن میں سمیٹ لیا تھا۔

زبان اور مرثیے کی اس بلندی پر اُردو زبان کو ناز تھا، مگر انیس اور دبیر مرزا

عشق اور میرزا تعشق کی زبان اور واقعات کربلا کو بیان کرنے کے بے مثال انداز ہی کو معیار بنایا جائے تو اُردو زبان دُنیا کی ہر ترقی یافتہ زبان کے مقابلے میں پیش کی جا سکتی ہے..... لیکن آسمان ادب پر ایک نیا ستارہ طلوع ہوا اور دُنیا نے اسے جوشؔ ملیح آبادی کے نام سے پہچانا۔ اس شاعر رومان نے شاعری کی ابتداء کی تو مرثیے کو روح ثریا عطا کرنے کے لئے قلم اٹھایا۔ اب مرثیہ واقعات کی حدود کو توڑ کر انقلاب اور عمل کی حدوں میں داخل ہو گیا۔ جوشؔ نے مرثیے کو ایک پیغام بنا کر پیش کیا۔ انہوں نے ہر محب اہل بیت اور کلمہ گو کو حسین بن کر عصر حاضر کے یزیدوں پر ٹوٹ پڑنے کے لئے للکارا۔ حضرت حسین کے پیغام کو ہر مسلمان کے دل میں اتار دینے کے لئے انہوں نے اپنے عنفوانِ شباب میں بھی مرثیہ کہا اور اپنی شامِ زندگی کے آخری ایام ۱۹۸۲ء میں بھی مرثیہ کو اپنے پیغام اور نظریات کی اشاعت کا ذریعہ بنایا۔

مرثیہ نگاری کے سلسلے میں ہمارے ناقدین نے جو رائے قائم کی ہے، جوشؔ کے مرثیے اُن سے بالکل مختلف ہیں، جوشؔ کردار حسین اور کربلا کے واقعات سے انیس اور دبیر دونوں سے بالکل مختلف معنی و مفاہیم اخذ کرتے ہیں، جوشؔ کے خون میں اپنے بزرگوں جیسی اسلامی حرارت ہے، افغانوں جیسا طوفان و ہیجان ہے اور انسانوں جیسا انسانی جذبہ ہے۔ وہ حضرت حسین کی قربانی سے انقلاب اور ظالم حکمرانوں کے خلاف طبل جنگ بجا دینے کا بنیادی سبق پڑھتے بھی ہیں اور پڑھاتے بھی ہیں، یزیدی قوتوں کے خلاف حسین کی خدائی آواز، ان کے لئے بشارت ہے جسے بیان کرنے میں وہ کہیں بھی نرم گفتاری سے کام نہیں لیتے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جوشؔ جیسے ہی مرثیہ کہنے بیٹھتے ہیں ان کا چہرہ غصے میں سرخ

ہو جاتا ہے اور وہ کربلا کے ظالموں اور ان ظالموں کی پشت پر کار فرما طاقتوں کے خلاف جنگ کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ حسین کے غم میں وہ دل و جان سے شریک ہوتے ہیں اور اس غم میں کسی قسم کی عیاری اور مکاری کو پسند نہیں کرتے۔ جوشؔ نے حسین کو منارۂ اسلام کی طرح قبول کیا ہے اور اس منارے کی بلندی کو وہ تا ابد قائم رکھنا چاہتے ہیں تا کہ آنے والی نسلیں حسین کے عزم اور قربانی، صداقت اور شجاعت سے سبق حاصل کرتی رہیں۔

جوشؔ کا یہی وصف انہیں دوسرے مرثیہ نگاروں سے ممتاز بھی کرتا ہے اور مرثیے کے نئے میدان کی نشاندہی بھی کرتا ہے جوشؔ بین کے مخالف نہیں ہیں لیکن مرثیے کے لئے بین کو لازمی نہیں سمجھتے۔ حضرت حسین کو کربلا میں جن حالات سے دوچار ہونا پڑا، وہ داستانِ غم ایسی نہیں ہے کہ انسانی قلب و جگر اس سے متاثر نہ ہو، جوشؔ بھی اُن حالات سے متاثر ہوتے ہیں لیکن وہ فوراً ہی سنبھل کر ان قوتوں کے خلاف صف آرا ہونے کا سبق پڑھاتے ہیں۔ کیونکہ ان کی روح میں حضرت حسین کا وہ مقصد موجزن ہے جس کے لئے انہوں نے اپنے اہل خاندان کے ساتھ اتنی بڑی قربانی پیش کی ہے۔ وہ حسین کی داستانِ شہادت سن کر آنسو بہانے والوں کو بھی خبردار کرتے ہیں اور ''ذاکر'' کے بارے میں فرماتے ہیں۔

''ذاکر، واقعاتِ کربلا کو صحت و عدم صحت سے بے نیاز ہو کر اور روحِ شہادت امام سے بیگانہ رہتے ہوئے ماہِ محرم کی مجلسوں میں محض اس لئے بیان کرتا ہے کہ سامعین روتے روتے بیہوش ہو جائیں، اس شدت کے ساتھ رلانے کی اچھی طرح مول تول کر کے فیس بھی لیتا ہے، شہید اعظم کی قربانی کے مغز اور روح

کو خلقت کی نظروں سے بصد ہزار اہتمام مخفی رکھتا ہے۔ حق کی طرف ملتفت نہیں ہوتا اور باطل سے بے حد ڈرتا ہے''۔

اس طرح جوشؔ اپنے پیش رو مرثیہ نگاروں سے بالکل جدا اور مختلف نظر آتے ہیں۔ وہ اس بات کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں کہ غم حسین کی مجلسیں تفریح کا سامان بن کر رہ جائیں اور مقصدِ حسین کو میلوں ٹھیلوں کی نذر کر دیا جائے، ان کی نظم ''متولیانِ وقفِ حسین آباد سے خطاب'' اس امر کو بخوبی بیان کرتی ہے، فرماتے ہیں:

''آٹھویں کے چراغاں کی یہ ایک شرمناک و غلامانہ خصوصیت ہے کہ اس شب کا ''کھیل تماشا'' صرف ''صاحب لوگوں'' کے لئے مخصوص ہوتا ہے جو اپنے اپنے محبوبوں کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے اِدھر سے اُدھر قہقہے مارتے پھرتے ہیں۔

اس دن کسی ہندوستانی کو امام باڑوں میں قدم رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ صرف بعض ممتاز ہندوستانیوں کو پاسوں سے سرفراز کیا جاتا ہے البتہ صرف ہندوستانی اس شرط سے داخل ہو سکتے ہیں کہ وہ اپنے ہندوستانی لباس کو ترک کر کے انگریزی لباس میں آئیں''۔

اس جدید فکر و خیال کے ذریعہ سے جوشؔ نے مرثیے میں ایک انقلاب پیدا کیا ہے، ان کا وصف یہ ہے کہ وہ مرثیے کو انگریزوں اور باطل قوتوں کے خلاف بھی استعمال کرنا چاہتے ہیں، وہ شاہی کے مخالف ہیں اور سرمایہ دارانہ نظام کو انسانیت کی بیماری اور موت تصور کرتے ہیں۔ جوشؔ کی فکر اور ان کے موقف کو اُجاگر اور واضح کرنے کے لئے میں نے ''کلیات'' میں ''ذاکر سے خطاب'' اور

''متولیانِ وقفِ حسین آباد سے خطاب'' جیسی نظمیں بھی شامل کر دی ہیں۔

جوشؔ فرماتے ہیں ''مرثیوں سے ہمیشہ آنسوؤں اور آہوں کا کام لیا گیا ہے اور کسی ایک مرثیہ گو نے بھی اس جانب توجہ مبذول نہیں کی ہے کہ حسین کے کردار کو پیش کر کے مومنین کو یہ سبق دے کہ دیکھو اگر تم حسینی ہو تو خبردار باطل کی طاقت کے سامنے کبھی سر نہ جھکانا اور فرمانروایانِ دہر کو خاطر میں نہ لانا''۔

جوشؔ خطابت کے بادشاہ ہیں۔ انہوں نے اپنے مرثیوں میں خطیبانہ انداز اختیار کر کے تکرار و زبان و بیان کے ذریعہ اپنی بات قاری کے دل و دماغ میں پیوست کر دینے کی کوشش کی ہے۔ اسی لئے ان کے کلام میں وہ نزاکت اور لطافت نہیں ہے جس کے لئے انیسؔ یاد کئے جاتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ جوشؔ انیسؔ سے بہت زیادہ متاثر ہوئے ہیں، اک پھول کے مضمون کو سو رنگ سے باندھنے کا انداز، استعارے کی اہمیت، لفظوں کی نشست اور میر انیسؔ کا اندازِ بیان جوشؔ کے مرثیوں کی روح ہے لیکن ان کی ایک مخصوص فکر و زبان ہے۔ جوشؔ کے یہاں گھوڑے کا بیان، تلوار کی کاٹ، میدانِ جنگ کے مناظر، مستورات کی دشواریاں پیاس کی شدت، دشمنوں کی یلغار اور بچوں کی چیخ و پکار کے مناظر انیسؔ جیسی تفصیلات کے ساتھ نہیں ہیں۔

جوشؔ نے امام حسین کو مستقبل اور آئندہ نسلوں کے لئے منارۂ روشن تسلیم کیا ہے، فرماتے ہیں ؎

چمکے گا تیری فکر سے ہر گوشۂ جمال
لائے گا تو خیال کے موسم میں اعتدال
انساں کے ذہن میں ہیں جو اشکالِ ذوالجلال
اک تو ہی لا سکے گا ان اشکال پر زوال

یہ تو کہے گا جلوہ بجز واہما نہیں
جو دیکھنے میں آئے وہ بت ہے خدا نہیں

اے صدق کے محیط، حقائق کے آبشار
اے حق کے بادشاہ، معارف کے تاجدار
اے علم کے خدیو، تفکر کے شہریار
نوعِ بشر کو فکر و عمل کی طرف پکار

ہاں صبحِ زندگی کی شفق ہے ترا وجود
ایفائے عہد رحمتِ حق ہے ترا وجود

جوشؔ کے مرثیے نہ تو عبادت ہیں نہ بخشش کا ذریعہ، ان کے پیش نظر ایک مقصد ہے، صحت مند و توانا زندگی کے لئے ایک راستے کی تلاش ہے، یہ راستہ انہوں نے شہادتِ حسین علیہ السلام میں تلاش کرلیا ہے، جس پر چل کر ہی نوع انسان اپنی اس منزل تک پہنچ سکتا ہے، جس کی نشاندہی خدائے تعالیٰ نے کی ہے، یہی سبب ہے کہ جوشؔ اپنے مرثیوں میں ذاتِ خداوندی، رسولِ خدا اور حضرت علی شیرِ خدا کے ذکر سے بھی غافل نہیں رہتے۔ وہ اپنی بات کو تکرار کے ساتھ تواتر کے ساتھ اور تسلسل کیساتھ بیان کرتے ہیں، جگہ جگہ ان کا انداز معلمانہ ہو جاتا ہے تاکہ قارئین ان کی بات کو سمجھ سکیں۔

''کلیاتِ مراثیٔ جوشؔ'' میں جوشؔ کے مرثیوں کا تفصیلی جائزہ مقصود نہیں ہے بلکہ تعارف کے طور پر چند کلمات سپردِ قلم کئے جارہے ہیں۔ اس کتاب سے قبل محترم ضمیر اختر نقوی نے ''جوشؔ ملیح آبادی کے مرثیے'' عنوان سے ایک کتاب

ترتیب دے کر ایک اہم خدمت انجام دی ہے اور جوشؔ کے مراثی کا تفصیلی جائزہ پیش کیا ہے۔

کلیات میں جوشؔ کی مطبوعہ کتابوں سے مدد لی گئی ہے۔ مرثیوں کو نقل کرنے میں دشواری یہ پیش آئی ہے کہ جوشؔ صاحب مرحوم نے مرثیوں میں جگہ جگہ تبدیلی کردی ہے کہیں لفظ تبدیل کردیئے ہیں، کہیں مصرعے بدل دیئے ہیں کہیں بند غائب کردیئے ہیں اور کہیں نئے بند شامل کردیئے ہیں۔ جس کی وجہ سے قارئین کو دشواری ہو سکتی ہے، مثال کے طور پر اگر آپ ''موجد و مفکر'' کا وہ نسخہ دیکھیں گے جو لکھنؤ سے شائع ہوا تھا اور پھر ''الہام و افکار'' میں ''موجد و مفکر'' کا مطالعہ کریں گے تو آپ کو واضح فرق نظر آئے گا۔

مختصر یہ کہ وہ مرثیہ جو اشرفؔ دکنی کی نظم ''نوسر ہار'' سے یا عبداللہ قطب شاہ کے دیوانوں سے شروع ہوا تھا ۱۹۸۲ء میں حضرت جوشؔ ملیح آبادی مرحوم کی وفات کے وقت اپنے عروج پر ضرور نظر آتا ہے لیکن ہم نہیں کہہ سکتے کہ ارتقاء کا یہ دور کب ختم ہوگا۔ جوشؔ کے بعد اُردو شاعری اور مرثیے کا میدان بہ ظاہر خالی ہے لیکن انسانی زندگی کے ارتقائی عمل کی طرح زبان اور شاعری کا ارتقائی عمل بھی رک نہیں سکتا۔

ڈاکٹر عصمت ملیح آبادی
اُردو منزل۔ ملیح آباد۔ لکھنؤ

ذاکر سے خطاب

ہوشیار اے ذاکر افسردہ فطرت! ہوشیار
مردِ حق اندیشہ، اور باطل سے ہو زار و نزار
ضعف کا احساس، اور مومن کو، یہ کیا خلفشار
لافتیٰ الا علی، لا سیف الا ذوالفقار

جو حسینی ہے، کسی قوت سے ڈر سکتا نہیں
موت سے ٹکرا کے بھی ساونت مر سکتا نہیں

تو نہیں روحِ شہیدِ کربلا سے بہرہ مند
تیرے شانوں پر تو زلفِ بزدلی کی ہے کمند
سخت استعجاب ہے اے پیشہ ور ماتم پسند
شیر و ضیغم کے سینے میں ہو قلبِ گوسفند

ننگ کا موجب ہے یہ اہلِ وغا کے واسطے
یوں نہ ماتم کر شہیدِ کربلا کے واسطے

مانعِ شیون نہیں میرا پیامِ مستقل
گریہ فطری شے ہے، دشمن پر بھی بھر آتا ہے دل
دل نہیں پتھر ہے مولیٰ پر نہ ہو جو مضمحل
گریۂ مومن سے ہے تزئینِ بزمِ آب و گِل

کون کہتا ہے کہ دل کے حق میں غم اچھا نہیں
پھر بھی شغلِ گریہ نصب العین بن سکتا نہیں

ہاں میں واقف ہوں کہ آنسو ہے وہ تیغِ آبدار
سنگ و آہن میں اتر جاتی ہے جس کی نرم دھار
ہے مگر مردانگی کو ان خنک اشکوں سے عار
جنکے شیشوں میں نہ غلطاں ہوں شجاعت کے شرار

اشک، بے سوزِ دروں پانی ہے، ایماں کی قسم
قلبِ شبنم پر شعاعِ مہرِ تاباں کی قسم

سوچ تو اے ذاکرِ افسردہ طبع نرم خو
آہ تو نیلام کرتا ہے شہیدوں کا لہو
تاجرانہ مشق ہے مجلس میں تیری ہاؤ ہو
فیس کا دریوزہ ہے منبر پہ تیری گفتگو

عالمِ اخلاق کو زیر و زبر کرتا ہے تو
خونِ اہلِ بیت میں لقمے کو تر کرتا ہے تو

حرص نے تجھ کو سکھایا ہے دنائت کا سبق
کربلا کے ذکر میں لیتا نہیں کیوں نامِ حق
چشمۂ دولت ہے تیرا سیلِ اشک بے قلق
خون کی چادر سے سونے کے بناتا ہے ورق

خانہ برباد ہے دولت سرا تیرے لئے
اک دفینہ ہے زمینِ کربلا تیرے لئے

کیا بتاؤں کیا تصور تو نے پیدا کر دیا
غیرتِ حق کو بھلا کر، حق کو رُسوا کر دیا
کربلا و خونِ مولیٰ کو تماشا کردیا
''آبِ رکناباد'' و بستانِ'' مصلیٰ کر دیا

مشقِ گریہ، عیش کی تمہید ہے تیرے لئے
عشرۂ ماہِ محرم، عید ہے تیرے لئے

سوچ تو کچھ جی میں اے مشتاقِ راہِ مستقیم
مومنوں کے دل ہوں اور واماندۂ امید وبیم
شدتِ آہ و بکا سے دل ہوں سینوں میں دونیم
کیوں، یہی لے دے کے تھا کیا مقصدِ ذبحِ عظیم؟

خوف ہے قربانیٔ اعظم نظر سے گر نہ جائے
ابنِ حیدرؑ کے لہو پر، دیکھ، پانی پھر نہ جائے

سازِ عشرت ہے تجھے ذکرِ امامِ مشرقین
ڈھالتا ہے تیرے سکّے، بستگانِ غم کا بین
تیری دارالضرب ہے اہلِ عزا کا شور وشین
سر جھکا لے شرم سے اے تاجرِ خونِ حسینؑ

ذہن میں آتا ہو جس کا نام تلواروں کے ساتھ
اس کا ماتم اور ہوسکوں کی جھنکاروں کے ساتھ

غم کے سکّے بہرِ زر تا کے بٹھائے جائیں گے؟
کب تک آخر ہم پہ عشرت رلائے جائیں گے؟
دام پر تا چند یوں دانے گرائے جائیں گے؟
آنسوؤں سے تا کجا ''موتی'' بنائے جائیں گے

بہرِ لقمہ تابہ کے منبر پہ منہ کھولے گا تو؟
تا کجا پانی کے کانٹے پر لہو تولے گا تو؟

کربلا میں اور تجھ میں اتنا بُعدالمشرقین
اس طرف شورِ رجز خوانی، ادھر لے دے کے بین
اس طرف تکبیر، ادھر ہنگامہائے شور وشین
اس طرف اشکوں کا پانی، اس طرف خونِ حسین

وہ تھی کس منزل میں، اور تو کون سی منزل میں ہے
شرم سے گڑ جا اگر احساس تیرے دل میں ہے

کربلا سے واقفیت بھی ہے مردِ منفعل ؟
کربلا درپردہ بشاش، اور بہ ظاہر مضمحل
جس کی رفعت سے بلندی آسمانوں کی خجل
جسکے ذروں میں ڈھڑکتے ہیں جواں مردوں کے دل

خندہ زن ہے جس کی رفعت گنبدِ افلاک پر
مہرِ تکمیل نبوت ثبت ہے جس خاک پر

جسکے ہر ذرّے میں غلطاں ہیں ہزاروں آفتاب
خار کی نبضوں میں جاری ہے جہاں خونِ گلاب
جسکے خار وخس میں ہے خوشبوئے آلِ بوترابؑ
کربلا! تاریخ عالم میں نہیں تیرا جواب

کربلا! تو آج بھی قائم ہے اپنی بات پر
مہراب بھی سجدہ کرتا ہے ترے ذرات پر

اے چراغ دودمانِ مصطفےٰؐ کی خواب گاہ
تیرے خار وخس پہ ہے تابندہ خونِ بے گناہ
تیری جانب اٹھ رہی ہے اب بھی یزداں کی نگاہ
آرہی ہے ذرّے ذرّے سے صدائے لا الٰہ

اے زمیں! خوش ہو کہ تیری زیب و زینت ہے حسینؑ
تیرے سناٹے میں محوِ خواب راحت ہے حسینؑ

جو دہکتی آگ کے شعلوں پہ سویا، وہ حسینؑ
جس نے اپنے خون سے عالم کو دھویا، وہ حسینؑ
جو جواں بیٹے کی میت پر نہ رویا، وہ حسینؑ
جس نے سب کچھ کھو کے، پھر کچھ بھی نہ کھویا، وہ حسینؑ

مرتبہ اسلام کا جس نے دوبالا کر دیا
خون نے جس کے دو عالم میں اجالا کر دیا

نطق جس کا نغمۂ سازِ پیمبر، وہ حسینؑ
تھا جو شرحِ مصطفےٰؐ، تفسیرِ حیدرؑ، وہ حسینؑ
تشنگی جس کی جوابِ موجِ کوثر، وہ حسینؑ
لاکھ پر بھاری رہے جس کے بہتّر، وہ حسینؑ

جو محافظ تھا خدا کے آخری پیغام کا
جس کی نبضوں میں مچلتا تھا لہو اسلام کا

ہنس کے جس نے پی لیا جامِ شہادت وہ حسینؑ
مر گیا لیکن نہ کی فاسق کی بیعت، وہ حسینؑ
ہے رسالت کی سپر جس کی امامت، وہ حسینؑ
جس نے رکھ لی نوعِ انسانی کی عزت، وہ حسینؑ

وہ کہ سوزِ غم کو، سانچے میں خوشی کے ڈھال کر
مسکرایا موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر

اے حسینؑ! اب تک گل افشاں ہے تری ہمت کا باغ
آندھیوں سے لڑ رہا ہے آج بھی تیرا چراغ
تو نے دھو ڈالے جبینِ ملتِ بیضا کے داغ
تیرے دل کے سامنے لرزاں ہے باطل کا دماغ
فخر کا دل میں دریچہ باز کرنا چاہئے
جس کا تو آقا ہو، اس کو ناز کرنا چاہئے

کھول آنکھیں اے اسیرِ کاکلِ زشت و نکو
آہ کن موہوم موجوں پر بہا جاتا ہے تو
ختم ہے آنسو بہانے ہی پہ تیری آرزو
اور شہیدِ کربلا نے تو بہایا تھا لہو
ہات ہے ماتم میں تیرا سینۂ افگار پر
اور حسینؑ ابن علیؑ کا ہات تھا تلوار پر

تھیں بہتر خوں چکاں تیغیں حسینیؑ فوج کی
اور صرف اک سیدِ سجادؑ کی زنجیر تھی
اتنی تیغوں کی رہی دل میں نہ تیرے یاد بھی
حافظے میں صرف اک زنجیر باقی رہ گئی
ذہن کو بیچارگی سے انس پیدا ہوگیا
اشجعِ عالم کے پیرو! یہ تجھے کیا ہوگیا

آہ تو اور سازِ برگِ عافیت کا اہتمام
کیوں نہیں کہتا کہ باطل کی حکومت ہے حرام
تجھ کو اور زنداں کا ڈر، کیوں اے غلامِ ننگ و نام؟
جانتا ہے رہ چکے ہیں قید میں کتنے امام؟
تو مثالِ اہلِ بیت پاک مر سکتا نہیں
عشق کا دعویٰ ہے، اور تقلید کر سکتا نہیں

دیکھ، مجھ کو دیکھ، میں ہوں ایک رندِ بادہ خوار
رسمِ تقویٰ ہی سے واقف ہوں نہ طاعت سے دوچار
سر پر ہے شملہ، نہ کاندھے پر عبائے زرنگار
موت کو لیکن سمجھتا ہوں، حیاتِ پائدار؟
رسم وراہِ زہد و تقویٰ کو سبک کرتا ہے تو
قتل سے ڈرتا نہیں میں، قید سے ڈرتا ہے تو

خوف کا جن ہے زمانے سے ترے سر پر سوار
خوف ہے اک نا مبارک طائرِ مردار خوار
باغ و بستاں سے نہیں ہوتی نظر جس کی دوچار
روز و شب لاشوں پہ منڈلاتا ہے جو دیوانہ وار
تیرے سر پر اس کا منڈلانا تماشا تو نہیں؟
غور کر تو اک عفونت خیز لاشا تو نہیں؟

خلق میں محشر بپا ہے اور تو مصروفِ خواب
خون میں ذلت کی موجیں کھا رہی ہیں پیچ و تاب
تیری غیرت کو خبر بھی ہے، کہ دشمن کا عتاب
تیری ماں بہنوں کی راہوں میں الٹتا ہے نقاب
اب تو زخمی شیر کی صورت بپھرنا چاہیئے
یہ اگر ہمت نہیں، تو ڈوب مرنا چاہیئے
دیکھ تو کتنی مکدر ہے فضائے روزگار
کس طرح چھایا ہوا ہے، حق پہ باطل کا غبار
بزمِ یزدانی میں روحِ اہرمن ہے گرم کار
میان سے باہر ابل پڑ، اے علیؑ کی ذوالفقار
نقشِ حق کو اب بھی او غافل! جلی کرتا نہیں
اب بھی تقلیدِ حسینؑ ابن علیؑ کرتا نہیں!

متولیانِ وقفِ حسین آباد سے خطاب

سن سکو تو چند نالے ہیں دلِ غمناک کے
اے گرامی ممبرو! وقف حسین آباد کے
مشعلوں کی جگمگاہٹ کی ہوا کرتی ہے "شو"
ہر محرم کی نویں اور آٹھویں تاریخ کو
وہ اداس اور تشنہ دو راتیں سر جوئے فرات
جن کے سناٹے کے اندر گم تھی روحِ کائنات
جن کی رو میں درہم و برہم تھا دنیا کا نظام
جن کی خاموشی میں غلطاں تھا شہادت کا پیام
جن کی ہلچل سے تلاطم تھا دلِ آفاق میں
جھلملائی تھی وفا کی شمع جن کے طاق میں
جن کی ظلمت کو منور کر رہے تھے دل کے داغ
گل ہوا تھا جن کی آندھی میں مدینے کا چراغ
پرفشاں تھے جن کے سناٹے جرس کے واسطے
تم نے ان راتوں کو چھانٹا ہے ہوس کے واسطے

مشعلوں میں جس جگہ خونِ شہیداں کا ہو رنگ
سیر کرنے کو بلائے جائیں واں اہلِ فرنگ
کیا حمیت ہے کہ اپنوں کے لئے ہو روک تھام
روپ میں بھی غیر کے آئے کوئی تو اذنِ عام
یہ تملق، یہ خوشامد، یہ زبوں اندیشیاں
غم کدہ مسلم کا ہو نصرانیوں کا بوستاں
دیدۂ ناہید ہو جس بزم میں افسانہ گو
اس جگہ دی جائے دعوت چشمکِ مریخ کو
داغہائے دل میں کھولا جائے میخانے کا باب
قہقہے ہوں آنسوؤں کی انجمن میں باریاب
بزمِ عصمت میں، سر آنکھوں پر لیا جائے گناہ
مقبرے کو اور بنائے آسماں تفریح گاہ
دعوتِ حرف و حکایت، زلزلے کی رات میں
منعقد ہو جشن، اشکوں کی بھری برسات میں
بامِ شیون پر کھلے موجِ تبسم کا علم
خون کے قطروں پہ اور اربابِ عشرت کے قدم
کشتیٔ صہبا چلے اہلِ وفا کے خون میں
آخری ہچکی بھری جائے گراموفون میں

لشکرِ شادی سے روندی جائے غم خانے کی خاک
غازۂ خوباں بنائی جائے پروانے کی خاک
چنگ و بربط کا تسلط ہو دیارِ آہ میں
اہلِ ماتم لاش کو رکھیں نمائش گاہ میں
دیدۂ عشرت اٹھے صد پارہ لاشا دیکھنے
ہنسنے والے آئیں رونے کا تماشا دیکھنے
جوئے خوں، اور اس پہ تیراکی کا میلا الحذر
غیرتِ اسلام! تجھ کو کھا گئی کس کی نظر؟
روحِ مومن کو عطا، بارِ خدا! ادراک ہو
یہ نہیں تو صور پھنک جائے کہ قصہ پاک ہو!

....

اے بار الٰہ نوحہ سناتا پھرتا
تا روزِ جزا اشک بہاتا پھرتا
امداد نہ کرتے جو ترس کھا کے حسین
اسلام ترا ٹھوکریں کھاتا پھرتا

سوگوارانِ حسین سے خطاب

انقلاب تند و خو جس وقت اٹھائے گا نظر
کروٹیں لیگی زمیں، ہوگا فلک زیر و زبر
کانپ کر ہونٹوں پر آجائے گی روح بحر و بر
وقت کا پیرانہ سالی سے بھڑک اُٹھے گا سر

موت کے سیلاب میں ہر خشک و تر بہ جائیگا
ہاں مگر نام حسینؑ ابن علیؑ رہ جائے گا

کون؟ جو ہستی کے دھوکے میں نہ آیا وہ حسین
سر کٹا کر بھی نہ جس نے سر جھکایا وہ حسین
جس نے مرکر غیرتِ حق کو جلایا وہ حسین
موت کا منھ دیکھ کر جو مسکرایا وہ حسین

کانپتی ہے جس کی پیری کو جوانی دیکھ کر
ہنس دیا جو تیغ قاتل کی روانی دیکھ کر

ہاں نگاہِ غور سے دیکھ اے گروہ مومنیں!
جا رہا ہے کربلا خیر البشر کا جانشیں
آسماں ہے لرزہ براندام، جنبش میں زمیں
فرق پر ہے سایہ افگن شہپر روح الامیں

اے شگوفو، السلام، اے خفتہ کلیو الوداع
اے مدینے کی نظر افروز گلیو الوداع

ہوشیار، اے ساکت و خاموش کوفے! ہوشیار
آرہے ہیں دیکھ وہ اعدا قطار اندر قطار
ہونے والی ہے کشاکش درمیان نور و نار
اپنے وعدوں پر پہاڑوں کی طرح رہ استوار

صبح قبضہ کر کے رہتی ہے اندھیری رات پر
جو بہادر ہیں اڑے رہتے ہیں اپنی بات پر

لو کے جھکڑ چل رہے ہیں غیظ میں ہے آفتاب
سرخ ذرّوں کا سمندر کھا رہا ہے پیچ و تاب
تشنگی، گرمی تلاطم، آگ، دہشت اضطراب
کیوں مسلمانو! یہ منزل، اور آل بو ترابؑ

کس خطا پر تم نے بدلے ان سے گن گن کے لئے
فاطمہؑ نے ان کو پالا تھا اسی دن کے لئے؟

لو وہ مقتل کا سما ہے، وہ حریفوں کی قطار
بہ رہی ہے نہر لو وہ سامنے بیگانہ وار
وہ ہوا اسلام کا سرتاج مرکب پر سوار
دھوپ میں وہ برق سی چمکی، وہ نکلی ذوالفقار

آ گئی رن میں اجل، تیغ دو دم تولے ہوئے
جانب اعدا بڑھا دوزخ وہ منھ کھولے ہوئے

دور تک ہلنے لگی گھوڑوں کی ٹاپوں سے زمیں
کوہ تھرانے لگے، تیورا گئی فوجِ لعیں
زد پر آکر کوئی بچ جائے، نہیں ممکن نہیں
لو حسینؑ ابن علی نے وہ چڑھالی آستیں

آستیں چڑھتے ہی خون ہاشمی گرما گیا
نا خدا! ہشیار، دریا میں تلاطم آگیا

ظہر کے ہنگام، کچھ جھکنے لگا جب آفتاب
ذوقِ طاعت نے دلِ مولیٰ میں کھایا پیچ و تاب
آکے خیمے سے کسی نے دوڑ کر تھامی رکاب
ہو گئی بزم رسالت میں امامت باریاب

تشنہ لب ذرّوں پہ خون مشک بو بہنے لگا
خاک پر اسلام کے دل کا لہوں بہنے لگا

آفرین چشم و چراغ دود مانِ مصطفےٰؐ
آفرین صد آفرین و مرحبا صد مرحبا
مرتبہ انسان کا تونے دو بالا کر دیا
جان دیکر، اہلِ دل کو تو سبق یہ دے گیا

کشتیِ ایماں کو خونِ دل میں کھینا چاہئے
حق پہ جب آنچ آئے تو یوں جان دینا چاہئے

اے محیط کربلا! اے ارضِ بے آب و گیاہ
جرأتِ مردانۂ شبیرؑ کی رہنا گواہ!
حشر تک گونجیں گے تجھ میں نعرہ ہائے لاالٰہ
کج رہے گی فخر سے فرقِ رسالت پر کلاہ

یہ شہادت اک سبق ہے حق پرستی کے لئے
اک ستونِ روشنی ہے بحرِ ہستی کے لئے

تم سے کچھ کہنا ہے اب اے سوگوارانِ حسینؑ
یاد بھی ہے تم کو تعلیم امامِ مشرقین؟
تا کجا بھولے رہو گے غزوۂ بدر و حنین
کب تک آخر ذاکروں کے تاجرانہ شور و شین؟

ذاکروں نے موت کے سانچے میں دل ڈھالے نہیں
یہ شہید کربلا کے چاہنے والے نہیں

کہہ چکا ہوں بار بار، اور اب بھی کہتا ہوں یہی
مانع شیون نہیں میرا پیام زندگی
لیکن اتنی عرض ہے اے نو اسیر بزدلی
اپنی نبضوں میں رواں کر خونِ سر جوشِ علیؑ

ابن کوثر! پہلے اپنی تلخ کامی کو تو دیکھ
اپنے ماتھے کی ذرا مہر غلامی کو تو دیکھ

جس کو ذلت کا نہ ہو احساس وہ نامرد ہے
تنگ پہلو ہے وہ دل جو بے نیاز درد ہے
حق نہیں جینے کا اس کو جس کا چہرہ زرد ہے
خودکشی ہے فرض اس پر، خون جس کا سرد ہے

وقت بیداری نہ غالب ہو سکے جو نوم پر
لعنت ایسی خفتہ ملت پر، تف ایسی قوم پر!

زندہ رہنا ہے تو میرِ کارواں بنکر رہو
اس زمیں کی پستیوں میں آسماں بن کر رہو
دورِ حق ہو تو نسیم بوستاں بن کر رہو
عہد باطل ہو تو تیغ بے اماں بن کر رہو

دوستوں کے پاس آؤ نور پھیلاتے ہوئے
دشمنوں کی صفت سے گزرو آگ برساتے ہوئے

دورِ نگوی میں راحت کفر، عشرت، ہے حرام
مہ وشوں کی چاہ ساقی کی محبت ہے حرام
علم ناجائز ہے دستارِ فضیلت ہے حرام
انتہا یہ ہے غلاموں کی عبادت ہے حرام

کوئے ذلت میں، ٹھہرنا کیا، گزرنا بھی حرام
صرف جینا ہی نہیں، اس طرح مرنا بھی حرام!

....

کیا صرف مسلمان کے پیارے ہیں حسینؑ
چرغ نوع بشر کے تارے ہیں حسینؑ
انسان کو بیدار تو ہو لینے دو
ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؑ

حسینؑ اور انقلاب

ہمراز یہ فسانۂ آہ و فغاں نہ پوچھ
دو دن کی زندگی کا غم این و آں نہ پوچھ
کیا کیا حیات ارض کی ہیں تلخیاں نہ پوچھ
کس درجہ ہولناک ہے یہ داستاں نہ پوچھ
تفصیل سے کہوں تو فلک کانپنے لگے
دوزخ بھی فرط شرم سے منھ ڈھانپنے لگے

دنیا کی ہر خوشی ہے غم و درد سے دو چار
ہر قہقہے کی گونج میں ہے چشم اشکبار
کیا خار وخس کہ وہ تو ہیں معتوب روزگار
نسرین ونسترن میں بھی پنہاں ہے نوک خار
نغمے ہیں جنبش دل مضطر لئے ہوئے
گل برگ تک ہے برش خنجر لئے ہوئے

یاران سرفروش و نگارانِ مہ جبیں
آبِ نشاط و لعل و لب و زلف عنبریں
کوئے مغان و بوئے گل و روئے دلنشیں
زور وزن و ذکاوت و ذہن و زر و زمیں

جو شے بھی ہے وہ درد کا پہلو لئے ہوئے
ہر گوہر نشاط ہے آنسو لئے ہوئے

بیگانۂ حدود ہے انساں کی آرزو
پیچیدہ ہر نظر میں ہے اک تازہ جستجو
تھمتی نہیں کہیں بھی تمنائے برق خو
ساقی کا وہ کرم ہے کہ بھرتا نہیں سبو

ارماں کی شاہراہ میں منزل نہیں کوئی
اس بحر بے کنار کا ساحل نہیں کوئی

اس لیلیٰ حیات کی اللہ ری دارو گیر
ہر لوچ اک کمان ہے ہر ناز ایک تیر
اس کے کرم میں بھی وہ حرارت ہے ہم صفیر
جس کے مقابلے میں جہنم ہے زم ہریر

الجھے جو اس کے گیسوئے پیچاں کے جال میں
لگ جائے آگ دامن قطب شمال میں

امراض سے کسی کا بڑھاپا ہے اک وبال
آلام سے کسی کی جوانی ہے پائمال
اس کو ہے خوف ننگ اسے نام کا خیال
روزی سے کوئی تنگ کوئی عشق سے نڈھال

ہر سانس ہے نوید عذاب عظیم کی
گھبرا کے دو دہائی خدائے رحیم کی

اس خوں چکاں حیات کے آلام کیا کہوں
قدرت نہیں فسانۂ ایام کیا کہوں
دارائے کائنات کے انعام کیا کہوں
یہ داستانِ مرحمت عام کیا کہوں

کہہ دوں تو دل سے خون کا چشمہ ابل پڑے
اور چپ رہوں تو منہ سے کلیجہ نکل پڑے

نوعِ بشر پہ ہے جو عقوبت نہ پوچھئے
سفاک زندگی کی شقاوت نہ پوچھئے
جورِ حیات و جبر مشیت نہ پوچھئے
کتنا بریق ہے دلِ قدرت نہ پوچھئے

سو سال اگر خزاں کے تو دو دن بہار کے
قرباں ہجوم رحمت پروردگار کے

یوں تو غمِ معاش کا سوزِ نہاں ہے اور
تکلیف جاں گدازیٔ عشقِ بتاں ہے اور
لب تشنگیٔ شیب و عذابِ خزاں ہے اور
اعلانِ امر حق کی مگر داستاں ہے اور

گفتار صدق مایہ آزاری شود
چوں حرف حق بلند شود داری شود۔ (صائبؔ)

ہاں اس بلا سے کوئی بلا بھی بڑی نہیں
کیا اس کو علم جس پہ یہ پتا پڑی نہیں
کشتوں کی اس کے لاش بھی اکثر گڑی نہیں
اعلان امر حق سے کوئی شے کڑی نہیں

بے جرم خود کو جرم میں جو راندھ لے وہ آئے
اس راہ میں جو سر سے کفن باندھ لے وہ آئے

تکلیف رشد و کاہشِ تبلیغ الاماں
یہ دائرہ ہے دائرۂ مرگِ ناگہاں
پیہم یہاں سروں پہ کڑکتی ہیں بجلیاں
بار الم سے بولنے لگتے ہیں استخواں

ہر گام پر حیات کے چہرے کو فق کرے
مرنا جو چاہتا ہو وہ اعلان حق کرے

کیسے کوئی عزیز روایات چھوڑ دے
کچھ کھیل ہے کہ کہنہ حکایات چھوڑ دے
گھٹی میں تھے جو حل وہ خیالات چھوڑ دے
ماں کا مزاج باپ کی عادات چھوڑ دے

کس جی سے کوئی رشتۂ اوہام چھوڑ دے
ورثے میں جو ملے ہیں وہ اصنام توڑ دے

اوہام کا رباب قدامت کا ارغنوں
فرسودگی کا سحر روایات کا فسوں
اقوال کا مراق حکایات کا جنوں
رسم و رواج و صحبت و میراث و نسل و خوں

افسوس یہ وہ حلقۂ دامِ خیال ہے
جس سے بڑے بڑوں کا نکلنا محال ہے

اس بزم ساحری میں جہالت کا ذکر کیا
خود علم کے حواس بھی رہتے نہیں بجا
اوہام جب دلوں میں بجاتے ہیں دائرا
عقلوں کو سوجھتا ہی نہیں رقص کے سوا

تاریخ جھومتی ہے فسانوں کے غول میں
بوڑھے بھی ناچتے ہیں جوانوں کے غول میں

جس دائرے میں قصر قدامت کا ہو طواف
جدت کے "جرم" کو کوئی کرتا نہ ہو معاف
بگڑے ہوئے رسوم کا ذہنوں پہ ہو غلاف
آواز کون اٹھائے وہاں جہل کے خلاف

آواز اٹھائے موت کی جو آرزو کرے
ورنہ مجال ہے کہ یہاں گفتگو کرے

ہوتا ہے جو سماج میں جویائے انقلاب
ملتا ہے اس کو مرتد و زندیق کا خطاب
پہلے تو اس کو آنکھ دکھاتے ہیں شیخ و شاب
اس پر بھی وہ نہ چپ ہو تو پھر قوم کا عتاب

بڑھتا ہے ظلم و جور کے تیور لئے ہوئے
تشنیع وطعن و دشنہ و خنجر لئے ہوئے

اٹھتا ہے غلغلہ کہ یہ زندیق نامراد
کج فکر و کج نگاہ و کج اخلاق و کج نہاد
پھیلا رہا ہے عالم اخلاق میں فساد
اے صاحبان جذبۂ دیرینۂ جہاد

ہاں جلد اٹھو تباہی باطل کے واسطے
جنت ہے ایسے شخص کے قاتل کے واسطے

اور بالخصوص جب ہو حکومت کا سامنا
رعب و شکوہ و جاہ و جلالت کا سامنا
شاہان کج کلاہ کی ہیبت کا سامنا
قرنا و طبل و ناوک و رایت کا سامنا

لاکھوں میں ہے وہ ایک کروڑوں میں فرد ہے
اس وقت جو ثبات دکھائے وہ مرد ہے

اور بالخصوص بند ہو جب ہر درنجات
حق تشنہ لب ہو دشت میں باطل لب فرات
دست اجل میں ہو زن و فرزند تک کی ذات
حائل ہو مرگ و زیست میں لے دے کے ایک رات

یہ وہ گھڑی ہے کانپ اٹھے شیر نر کا دل
اس جھلکے کو چاہئے فوق البشر کا دل

وہ کربلا کی رات وہ ظلمت ڈراؤنی
وہ مرگ بے پناہ کے سائے میں زندگی
خیموں کے گرد و پیش وہ پر ہول خامشی
خاموشیوں میں دور سے وہ چاپ موت کی

تھی پشت وقت بار الم سے جھکی ہوئی
ارض و سما کی سانس تھی گویا رکی ہوئی

وہ اہل حق کی تشنہ دہاں مختصر سپاہ
باطل کا وہ ہجوم کہ اللہ کی پناہ
وہ ظلمتوں کے دام میں زہراؑ کے مہر و ماہ
تارے وہ فرط غم سے جھکائے ہوئے نگاہ
وہ دل بجھے ہوئے وہ ہوائیں تھمی ہوئی
وہ اک بہن کی بھائی پہ نظریں جمی ہوئی

لبریز زہر جور سے وہ دشت کا ایاغ
دکھتے ہوئے وہ دل وہ تپکتے ہوئے دماغ
آنکھوں کی پتلیوں سے عیاں وہ دلوں کے داغ
پر ہول ظلمتوں میں وہ سہمے ہوئے چراغ
بکھرے ہوئے ہوا میں وہ گیسو رسولؐ کے
تاروں کی روشنی میں وہ آنسو بتولؑ کے

وہ رات وہ فرات وہ موجوں کا خلفشار
عابد کی کروٹوں پہ وہ بے چارگی کا بار
وہ زلزلوں کی زد پہ خواتین کا وقار
اصغر کا پیچ و تاب وہ جھولے میں بار بار
اصغر میں پیچ و تاب نہ تھا اضطراب کا
وہ دل دھڑک رہا تھا رسالت مآب کا

وہ رات جب امام کی گونجی تھی یہ صدا
اے دوستان صادق و یاران باصفا
باقی نہیں رہا ہے کوئی اور مرحلہ
اب سامنا ہے موت کا اور صرف موت کا
آنے ہی پر بلائیں ہیں اب تحت وفوق سے
جانا جو چاہتا ہے چلا جائے شوق سے

اور سنتے ہی یہ بات بصد کرب و اضطراب
شبیرؑ کو دیا تھا یہ انصار نے جواب
دیکھیں جو ہم یہ خواب بھی اے ابن بوترابؑ
واللہ فرط شرم سے ہوجائیں آب آب
قرباں نہ ہو جو آپ سے والا صفات پر
لعنت اس امن و عیش پہ تف اس حیات پر

کیا آپ کا خیال ہے یہ شاہ ذی حشم
ہم ہیں اسیر سود و زیاں صید کیف و کم
خود دیکھ لیجئے گا کہ گاڑیں گے جب قدم
ہٹنا تو کیا ہلیں گے نہ دشت وغا سے ہم
پتلے ہیں ہم حدید کے پیکر ہیں سنگ کے
انساں نہیں پہاڑ ہیں میدان جنگ کے

ہاں ہاں وہ رات وحشت وبیم ورجا کی رات
افسون جاں کنی و طلسم قضا کی رات
لب تشنگان ذرّیت مصطفےٰؐ کی رات
جو حشر سے عظیم تھی وہ کربلا کی رات

شبیر نے حیات کا عنواں بنا دیا
اس رات کو بھی مہر درخشاں بنا دیا

تاریخ دے رہی ہے یہ آواز دم بدم
دشت ثبات و عزم ہے دشت بلاؤ غم
صبر مسیح و جرأت سقراط کی قسم
اس راہ میں ہے صرف اک انسان کا قدم

جس کی رگوں میں آتش بدر و حنین ہے
جس سورما کا اسم گرامی حسینؑ ہے

جو صاحب مزاج نبوت تھا وہ حسینؑ
جو وارث ضمیر رسالت تھا وہ حسینؑ
جو خلوتی شاہد قدرت تھا وہ حسینؑ
جس کا وجود فخر مشیت تھا وہ حسینؑ

سانچے میں ڈھالنے کے لئے کائنات کو
جو تولتا تھا نوک مژہ پر حیات کو

جو اک نشان تشنہ دہانی تھا وہ حسینؑ
گیتی پہ عرش کی جو نشانی تھا وہ حسینؑ
جو خلد کا امیر جوانی تھا وہ حسینؑ
جو اک سن جدید کا بانی تھا وہ حسینؑ

جس کا لہو تلاطم پنہاں لئے ہوئے
ہر بوند میں تھا نوح کا طوفاں لئے ہوئے

جو کاروانِ عزم کا رہبر تھا وہ حسینؑ
خود اپنے خون کا جو شناور تھا وہ حسینؑ
اک دین تازہ کا جو پیمبر تھا وہ حسینؑ
جو کربلا کا داور محشر تھا وہ حسینؑ

جس کی نظر پہ شیوۂ حق کا مدار تھا
جو روح انقلاب کا پروردگار تھا

ہاں اب بھی جو منارۂ عظمت ہے وہ حسینؑ
جس کی نگاہ مرگ حکومت ہے وہ حسینؑ
اب بھی جو محو درسِ بغاوت ہے وہ حسینؑ
آدم کی جو دلیل شرافت ہے وہ حسینؑ

واحد جو اک نمونہ ہے ذبح عظیم کا
شاہد ہے جو "خدا" کے مذاقِ سلیم کا

ہاں وہ حسینؑ جس کا ابدآشنا ثبات
کہتا ہے گاہ گاہ حکیموں سے بھی یہ بات
یعنی درونِ پردۂ صدرنگِ کائنات
اک کارساز ذہن ہے اک ذی شعور ذات

سجدوں سے کھینچتا ہے جو "مسجود" کی طرف
تنہا جو اک اشارہ ہے "معبود" کی طرف

جس کا وجود عدل و مساوات کی مراد
جو کردگار امن تھا پیغمبرِ جہاد
تحویل زندگی میں پئے رفع ہر فساد
قدرت کی اک امانت زریں ہے جسکی یاد

سوزاں ہے قلب خاک جو خون مبین سے
اک لو نکل رہی ہے ابھی تک زمین سے

عزت پہ جس نے سر کو فدا کر کے دم لیا
صدق و منافقت کو ،جدا کر کے دم لیا
حق کو ابد کا تاج عطا کر کے دم لیا
جس نے یزید یت کو فنا کر کے دم لیا

فتنوں کو جس پہ ناز تھا وہ دل بجھا دیا
جس نے چراغ دولت باطل بجھا دیا

عالم میں ہو چکا ہے مسلسل یہ تجربا
قوت ہی زندگی کی رہی ہے گرہ کشا
سر ضعف کا ہمیشہ رہا ہے جھکا ہوا
ناطاقتی کی موت ہے طاقت کا سامنا

طاقت سی شے مگر خجل و بدنصیب تھی
ناطاقتی حسینؑ کی کتنی عجیب تھی

طاقت سی شے کو خاک میں جس نے ملا دیا
تختہ الٹ کے قصر حکومت کو ڈھادیا
جس نے ہوا پہ رعب امارت اڑادیا
ٹھوکر سے جس نے افسر شاہی گرا دیا

اس طرح جس سے ظلم سیہ فام ہوگیا
لفظ یزید داخل دشنام ہوگیا

پانی سے تین روز ہوئے جس کے لب نہ تر
تیغ و تبر کو سونپ دیا جس نے گھر کا گھر
جو مر گیا ضمیر کی عزت کے نام پر
ذلت کے آستاں پہ جھکایا مگر نہ سر

لی جس نے سانس رشتۂ شاہی کو توڑ کر
جس نے کلائی موت کی رکھ دی مروڑ کر

جس کی جبیں پہ کج ہے خود اپنے لہو کا تاج
جو مرگ و زندگی کا ہے اک طرفہ امتزاج
سر دے دیا مگر نہ دیا ظلم کو خراج
جس کے لہو نے رکھ لی تمام انبیاء کی لاج
سنتا نہ کوئی دہر میں صدق و صفا کی بات
جس مرد سر فروش نے رکھ لی خدا کی بات

ہر چند اہل جور نے چاہا یہ بارہا
ہو جائے محو، یاد شہیدان کربلا
باقی رہے نہ نام زمیں پر حسینؑ کا
لیکن کسی کا زور عزیز و نہ چل سکا
عباس نامور کے لہو سے دھلا ہوا
اب بھی حسینیت کا علم ہے کھلا ہوا

یہ صبح انقلاب کی جو آج کل ہے ضو
یہ جو مچل رہی ہے صبا پھٹ رہی ہے پو
یہ جو چراغ ظلم کی تھرا رہی ہے لو
درپردہ یہ حسینؑ کے انفاس کی ہے رو
حق کے چھڑے ہوئے ہیں جو یہ ساز دوستو
یہ بھی اسی جری کی ہے آواز دوستو

جس کا ہجوم درد و علم سے یہ حال تھا
سینہ تھا پاش پاش جگر پائمال تھا
رخ پر تھا تشنگی کا دھواں دل نڈھال تھا
اس کرب میں بھی جس کو فقط یہ خیال تھا
آتش برس رہی ہے تو برسے خیام پر
آنے نہ پائے آنچ مگر حق کے نام پر

ہر چند ایک شاخ چمن میں ہری نہ تھی
ماتھا عرق عرق تھا لبوں پر تری نہ تھی
باطل کی ان بلاؤں پہ بھی چاکری نہ تھی
یہ داوری تھی اصل میں پیغمبری نہ تھی
رنگ اڑ گیا حکومت بدعت شعار کا
عزم حسینؑ عزم تھا پروردگار کا

تھی جس کے دوش پاک پر اہل ولا کی لاش
انصار سر فروش کی لاش اقرباء کی لاش
عباس سے مجاہد تیغ آزما کی لاش
قاسم سے شاہزادۂ گلگوں قبا کی لاش
پھر بھی یہ دھن تھی صبر کی زلفوں سے بل نہ جائے
اس خوف سے کہ حق کا جنازہ نکل جائے

زار و نزار و تشنہ و مجروح و ناتواں
تنہا کھڑا ہوا تھا جو لاکھوں کے درمیاں
گھیرے تھے جس کو تیر و تبر ناوک و سناں
اور سو رہا تھا موت کے بستر پہ کارواں
اتنا نہ تھا کہ حق رفاقت سے کام لے
گرنے لگیں اگر تو کوئی بڑھ کے تھام لے

ہاں وہ حسینؑ خستہ و مجروح و ناتواں
ساکت کھڑا ہوا تھا جو لاشوں کے درمیاں
سنتا رہا سکون سے جو پیر نیم جاں
اکبر سے ماہ رو کی جوانی کی ہچکیاں
ہے ہے کی آرہی تھی صدا کائنات سے
پھر بھی قدم ہٹائے نہ راہ ثبات سے

ہاں اے حسینؑ تشنہ و رنجور السلام
اے میہمان عرصۂ بے نور السلام
اے شمع حلقۂ شب عاشور السلام
اے سینۂ حیات کے ناسور السلام
اے ساحل فرات کے پیاسے ترے نثار
اے آخری "نبیؐ" کے نواسے ترے نثار

ہاں اے حسین بیکس و ناچار السلام
اے کشتگانِ عشق کے سردار السلام
اے سوگوار یاور و انصار السلام
اے کاروان مردہ کے سالار السلام
افسوس اے وطن سے نکالے ہوئے حسینؑ
اے فاطمہؑ کی گود کے پالے ہوئے حسینؑ

تو اور تیرے حلق پہ تلوار ہائے ہائے
زنجیر اور عابد بیمار ہائے ہائے
زینبؑ کا سر کھلے، سر بازار ہائے ہائے
سر تیرا اور یزید کا دربار ہائے ہائے
انسان اس طرح اتر آئے عناد پر
لعنت خدا کی حشر تک ابن زیاد پر

تجھ سا شہید کون ہے عالم میں اے حسینؑ
تو ہے ہر ایک دیدۂ پرنم میں اے حسینؑ
زہاد ہی نہیں ہیں ترے غم میں اے حسینؑ
ہم رند بھی ہیں حلقہ ماتم میں اے حسینؑ
آزاد جو خیال میں ہیں اور کلام میں
وہ بھی اسیر ہیں تری زلفوں کے دام میں

یوں تو درونِ سینۂ تاریخِ روزگار
دولت ہے بے حساب جواہر ہیں بے شمار
لیکن ترا وجود ہے اے مردِ حق شعار
عزم بشر کی واحد و بے مثل یادگار

تکتا ہے تجھ کو وقت جہاں سوز دور سے
تو ہے بلند ضرب سنین و شہور سے

اس باغ دہر میں پے تفسیرِ رنگ و بو
یوں تو ہے ہر روش پہ اک انبار گفتگو
لیکن برائے گوشِ حکیمانِ راز جو
عالم میں صرف ایک سخن گفتنی ہے تو

مردانگی کے طور کا تنہا کلیم ہے
تو سینۂ حیات کا قلب سلیم ہے

اے رہبرِ خجستہ و اے ہادیٔ غیور
تو حافظے کا ناز ہے تاریخ کا غرور
اب بھی ترے نشانِ قدم سے ہے وہ سرور
لوحِ جبینِ وقت پہ غلطاں ہے موجِ نور

تو ہے وہ مہر دفترِ عزم وثبات پر
اب تک دمک رہی ہے جو پشتِ حیات پر

ہاں اے حسینؑ ابن علیؑ رہبرِ انام
اے منبرِ خودی کے حیات آفریں پیام
اے نطق زندگی کے مقدس ترین نام
اے چرخِ انقلاب کے ابر جواں خرام

غازہ ہے تیرا خون رخِ کائنات کا
ہر قطرہ ”کوہ نور“ ہے تاجِ حیات کا

جس بحرِ ظلم و جور کے گرداب میں تھا تو
نازل پہاڑ پر ہو تو بن جائے آب جو
سینے میں ابر کے نہ رہے روحِ رنگ و بو
آہن کے جوہروں سے ٹپکنے لگے لہو

یخ تک برنگِ آتشِ دوزخ دہک پڑے
ماتھے سے آگ کے بھی پسینہ ٹپک پڑے

اے خنجرِ برہنہ و اے تیغِ بے نیام
اے حق نواز امیرِ نبوت بدوش امام
اے تیرگی کی بزم میں خورشید کے پیام
اے آسمانِ درسِ عمل کے مہِ تمام

رہتی ردائے شام کی ظلمت ہی دین پر
ہوتا نہ تو صبح نہ ہوتی زمین پر

پھر حق ہے آفتاب لب بام اے حسینؑ
پھر بزم آب وگل میں ہے کہرام اے حسینؑ
پھر زندگی ہے ست و سبک گام اے حسینؑ
پھر حریت ہے موردِ الزام اے حسینؑ
ذوق فساد و ولولۂ شر لئے ہوئے
پھر عصر نو کے شمر ہیں خنجر لئے ہوئے

ہاں خاتم حیات ابد کا نگیں ہے تو
گردون گیر ودار کا مہر مبیں ہے تو
اک زندہ حد فاصل دنیا و دیں ہے تو
کونین کا تخیل عہد آفریں ہے تو
پھر دشت جنگ کو ہے ترا انتظار اٹھ
اٹھ روز گار تازہ کے پروردگار اٹھ

مجروح پھر ہے عدل و مساوات کا شعار
اس بیسویں صدی میں ہے پھر طرفہ انتشار
پھر نائبِ یزید ہیں دُنیا کے شہر یار
پھر کربلائے نو سے ہے نوع بشر دوچار
اے زندگی جلال شہ مشرقین دے
اس تازہ کربلا کو بھی عزم حسینؑ دے

پھر گرم ہے فساد کا بازار دوستو
سرمایہ پھر ہے بر سرآزار دوستو
تاکئے یہ خوف اندک و بسیار دوستو
تلوار ہاں اپی ہوئی تلوار دوستو
جو تیز تر ہو خون امارت کو چاٹ کر
رکھ دے جو سیم وزر کے پہاڑوں کو کاٹ کر

بل کھا رہے ہیں دہر میں پھر سیم وزر کے ناگ
گونجے ہوئے ہیں گنبد گرداں میں غم کے راگ
پھر موت رخش زیست کی تھامے ہوئے ہے باگ
تا آسماں بلند ہو اے زندگی کی آگ
فتنے کو اپنی آنچ کے جھولے میں جھونک دے
ہاں پھونک دے قبائے امارت کو پھونک دے

اے دوستوں فرات کے پانی کا واسطہ
آلِ نبیؐ کی تشنہ دہانی کا واسطہ
شبیرؑ کے لہو کی روانی کا واسطہ
اکبرؑ کی ناتمام جوانی کا واسطہ
بڑھتی ہوئی جوان اُمنگوں سے کام لو
ہاں تھام لو حسینؑ کے دامن کو تھام لو

آئین کشمکش سے ہے دنیا کی زیب و زین
ہر گام ایک ''بدر'' ہو ہر سانس اک ''حنین''
بڑھتے رہو یوں ہی پئے تسخیر مشرقین
سینوں میں بجلیاں ہوں زبانوں پہ ''یاحسین''

تم حیدری ہو سینۂ اژدر کو پھاڑ دو
اس خیبر جدید کا در بھی اکھاڑ دو

جاری رہے کچھ اور یوں ہی کاوش ستیز
ہر وار بے پناہ ہو، ہر ضرب لرزہ خیز
وہ فوج ظلم و جور ہوئی مائلِ گریز
اے خون، اور گرم ہو اے نبض اور تیز

عفریت ظلم کانپ رہا ہے، اماں نہ پائے
دیو فساد ہانپ رہا ہے، اماں نہ پائے

تاخیر کا یہ وقت نہیں ہے دلاورو
آواز دے رہا ہے زمانہ، بڑھو بڑھو
ایسے میں باڑھ پر ہے جوانی بڑھے چلو
گرجو مثالِ رعد، گرج کر برس پڑو

ہاں زخم خوردہ شیر کی ڈھکار دوستو
جھنکار ذوالفقار کی جھنکار دوستو

اے حاملان آتش سوزاں، بڑھے چلو!
اے پیروان شاہ شہیداں، بڑھے چلو!
اے فاتحان صرصر و طوفاں، بڑھے چلو
اے صاحبان ہمت یزداں، بڑھے چلو!

تلوار، شمر عصر کے سینے میں بھونک دو
ہاں جھونک دو، یزید کو دوزخ میں جھونک دو

دیکھو وہ ختم، ظلم کی حد ہے، بڑھے چلو
اپنا ہی خود یہ وقت مدد ہے، بڑھے چلو
بڑھنے میں عزت اب وجد ہے بڑھے چلو
وہ سامنے حیات ابد ہے، بڑھے چلو

الٹے رہو کچھ اور یونہیں آستین کو
الٹی ہے آستیں تو پلٹ دو زمین کو

اے جانشین حیدر کرار المدد
اے منچلوں کے قافلہ سالار المدد
اے امر حق کی گرمئ بازار المدد
اے جنس زندگی کے خریدار المدد

دنیا تری نظیر شہادت لئے ہوئے
اب تک کھڑی ہے شمع ہدایت لئے ہوئے

موجد و مفکّر

مسکرا کر جب ہوئی طالع تمدن کی سحر
جنگلوں سے شہر کی جانب مڑی فکرِ بشر
رسمسائی آرزوئے بام چونکا ذوقِ در
کشت خاک تار سے اگنے لگے شمس و قمر

خوشۂ حسن زمیں یوں ناز سے پکنے لگا
داب کر دانتوں میں اُنگلی آسماں تکنے لگا

جب اشاروں کو صدا بن کر نکھرنا آ گیا
اور صدا کو لفظ میں ڈھل کر ابھرنا آ گیا
لفظ کو پھر حرف بن کر گل کترنا آ گیا
خاکِ صامت کو بالآخر بات کرنا آ گیا

لب ہلے تو کشتیاں چلنے لگیں اعجاز کی
فکرِ انساں کو سواری مل گئی آواز کی

منتشر افراد کو مل جل کے رہنا آگیا
آدمی کو این و آں کی آنچ سہنا آگیا
وقت کے دھارے کو بالترتیب بہنا آگیا
حجلۂ احساس میں پھولوں کا گہنا آگیا

ناز سے زلفِ لطافت کی گرہ کھلنے لگی
پھول کے کانٹے پہ روحِ گلستاں تلنے لگی

سر جھکایا جہل نے پھر علم کے دربار میں
دائرے بننے لگے جنبش ہوئی پرکار میں
آئینے کا ذوق جاگا خاطرِ زن گار میں
سبزۂ ارشاد لہکا گلشنِ گفتار میں

اور پھر سبزے کے تختوں میں روانی آگئی
نوعِ انساں کی مسیں بھیگیں جوانی آگئی

شاہِ راہِ عام ترشی مانگ نکلی شہر کی
روشنی کی موج نے اس مانگ میں افشاں چنی
تابِ افشاں جدول منقش میں ڈھل کر بہی
زندگی کی نبض ذوق سب روی چلنے لگی

سازِ شب سے نغمہ ہائے صبح دم پیدا ہوئے
بستیاں مڑنے لگیں گلیوں میں خم پیدا ہوئے

آرزوئے خانہ آرائی کی شمعیں جل اٹھیں
کن منا کر صنعت نوخیز نے آنکھیں ملیں
طفلکِ تعمیر نے بیونتی قباء ماہ و طیں
سر پہ رکھ کر گنبدوں کے قمقمے ناچی زمیں

سنگریزے ناز سے جھکے منارے بن گئے
کروٹیں ذرّوں نے کچھ یوں لیں کہ تارے بن گئے

ہر نفس بڑھنے لگی پھر زندگی آتش بجاں
مئے چکاں و مشک ریز و مہر بیز و مہ فشاں
پرفشاں جنباں جہاں، لرزاں رواں غلطاں دواں
نغمہ خواں گریاں خراماں خوش عناں جولاں تپاں

پتھروں کو پیستی شیشوں کو پگھلاتی ہوئی
کارخانوں کے دھویں میں پیچ و خم کھاتی ہوئی

خشک و تر کو جانچتی ارض و سماں کو بھانپتی
صبح کو مکھڑا دکھاتی شام کو منہ ڈھانپتی
دوڑتی بڑھتی، لپکتی، دندناتی، ہانپتی
گنگناتی، گھومتی، گھرتی، گرجتی، کانپتی

بربطِ تکرار تخلیقات پر گاتی ہوئی
موت کو نیچا دکھا کر ناز فرماتی ہوئی

آدمی میں رفتہ رفتہ آدمیت آگئی
وضع میں تمکین جذبوں میں نزاکت آگئی
بات میں تاثیر آنکھوں میں مروت آگئی
روح فرسا اجنبیت میں اخوت آگئی

شور ہائے غم گساری کو بھڑکنا آگیا
دل کو اوروں کی مصیبت میں دھڑکنا آگیا

کہکشاں جھمکی نظر چھونے لگی افلاک کو
فکر برمانے لگی اجرام حیرت ناک کو
اور پھر گیتی کی جانب موڑ کر ادراک کو
آدمی گننے لگا ضربات نبضِ خاک کو

ذہن کے میزان میں تابانیاں تلنے لگیں
چادرِ ارض و سماں کی سلوٹیں کھلنے لگیں

ساعتوں کو کوک بھرتے ہی روانی مل گئی
ہر دقیقے کو منظم پرفشانی مل گئی
گنگ لحظوں کو گجر کی نغمہ خوانی مل گئی
عمر کے دھارے کو لوہے کی کمانی مل گئی

سوئیوں کی رو میں لمحوں کو چٹکنا آ گیا
وقت کو آغوش آہن میں چہکنا آ گیا

ناز سے جزو مکاں بن کر زماں گانے لگا
طائروں کا ذکر کیا خود آشیاں گانے لگا
زمزمے چھیڑے زمیں نے آسماں گانے لگا
چمنیوں میں کارخانوں کا دھواں گانے لگا

حوصلے نوعِ بشر کے ناز فرمانے لگے
ہات باندھے آب و آتش کے خواص آنے لگے

دیدہ و رخسار اور گوش و زباں کے درمیاں
فاصلوں کی چھٹ گئیں نبضیں بہ ایں بعد مکاں
ایک دریائے ہم آغوشی ہوا گویا رواں
آ گیا کھنچ کر بالآخر ایک مرکز پر جہاں

اور یوں آواز محوِ قطعِ منزل ہو گئی
عکس کو بھی قوتِ پرواز حاصل ہو گئی

آتشیں پوشاک پہنی عالم ایجاد نے
موم کی گردن میں باہیں ڈال دیں فولاد نے
برف پگلی سرد کاندھے پر شرارے لاد نے
ٹوپیاں بدلیں بصد اخلاص برق و باد نے

دوڑتے آئے یکا یک باہمی امداد کو
یوں اکائی نے پکارا منتشر اعداد کو

شعلگی کے نقطہ ہائے شور تک اُولے گئے
سطحِ بنیادی پہ تاروں کے گہر رولے گئے
سائے تک ناپے گئے اور عکس تک تولے گئے
انجم و ذرّات کے بندِ قبا کھولے گئے

عرش تک فرشِ زمیں کی ہمت عالی گئی
شعلہ و شبنم میں بل دے کر گرہ ڈالی گئی

ذوق نکھرا کہکشانی بام و در بننے لگے
سنگ ریزے آئینے قطرے گہر بننے لگے
برق پارے مرغ ہائے نامہ بر بننے لگے
آہنی اعصاب ڈھل کر بال و پر بننے لگے

زندگی روحِ ثریا کی طرف جانے لگی
قلبِ انجم کے دھڑکنے کی صدا آنے لگی

اس زمیں کی سمت موڑی یوں کدالوں نے عناں
ارض کے طبقات کو آنے لگیں انگڑائیاں
پردۂ ظلمات سے جھانکے رموزِ این و آں
ہڈیوں نے اپنے ڈھانچوں کی سنائی داستاں

تنگ غاروں میں ہوا چلنے لگی پو پھٹ گئی
خفتگانِ خاک کے سر سے ڈلائی ہٹ گئی

تنگ غاروں سے سلاطینِ کہن پیدا ہوئے
پا بہ گل ریشوں سے ماضی کے چمن پیدا ہوئے
بت کدوں نے آنکھ کھولی برہمن پیدا ہوئے
خاک کی خوش بو اُڑی گل پیرہن پیدا ہوئے

مردہ پروانوں نے آہ سرد بھر کر بات کی
کشتہ شمعوں نے سنائیں داستانیں رات کی

چھیڑ کر ذرّوں کے بربط گنگنایا خاک داں
آ گئی جنبش میں خواب آگیں چٹانوں کی زباں
بول اُٹھیں سنگ خارا کی مرتب دھاریاں
گونج اُٹھی مردہ قرنوں کی پرانی داستاں

نصب ہر ذرّے میں اک پھولوں کا ڈیرا ہو گیا
شام زیر ارض کے گھر میں سویرا ہو گیا

وہ جو اوجھل ہو چکے تھے سامنے آنے لگے
گل رخانِ دورِ پیشیں بال بکھرانے لگے
جو مغنی مل چکے تھے خاک میں گانے لگے
خستہ ماہ و سال اک اک پور چٹخانے لگے

چادرِ ذوقِ تجسس میں رفو کرنے لگے
دور ہائے سنگ و آہن گفتگو کرنے لگے

دیدۂ بیدار کی مانند کانیں کھل گئیں
جاگ اُٹھے بازارِ ماضی کی دکانیں کھل گئیں
عصر ہائے مہر برلب کی زبانیں کھل گئیں
گردنِ تاریخ جاں کی ریسمانیں کھل گئیں

بڑھ گئے کچھ اور پردے آگہی کے ساز میں
سن بتایا خاک نے اپنا تھکی آواز میں

سینۂ آہن سے اُٹھی موجِ شمشیر و قلم
خاک میں جاگے نقوشِ دیر و ایوانِ حرم
ولولوں میں جھن جھنایا زمزموں کا زیر و بم
کروٹیں لینے لگے پتھر میں بے ترشے صنم

قلبِ زر میں بستہ کنگن چٹکیاں لینے لگے
موتیوں کو ریشمی ڈورے صدا دینے لگے

تار پر مضراب تھرائی فضا پر راگنی
چھائی عشووں کی گھٹا چھٹکی ادا کی چاندنی
ناز کی پھوٹی کرن انداز کی چٹکی کلی
دل ربائی نے ملیں آنکھیں دلوں سے لو اٹھی

جنبشِ مژگاں، جنوں کی کشتیاں کھینے لگی
چبھ گئے نشتر رگِ ہستی لہو دینے لگی

نرگسِ بیمار کو طرزِ تکلم آگیا
وہ تکلم جس سے ہونٹوں پر تبسم آگیا
وہ تبسم جو لئے موجِ ترنم آگیا
وہ ترنم جس سے دنیا میں تلاطم آگیا

وہ تلاطم خون میں جس سے روانی آگئی
وہ روانی باڑھ پر جس سے جوانی آگئی

ناز سے مژگانِ ہستی کو جھپکنا آگیا
آرزو کو وقت کے سینے میں پلنا آگیا
زندگی کو لوریاں دینا تھپکنا آگیا
دلولوں پر رس کی بوندوں کو ٹپکنا آگیا

روزِ باراں و شبِ مہ کا مزا چکھنے لگیں
فرشِ مخمل پر تمنائیں قدم رکھنے لگیں

بن گیا گلفام ہر اک پارۂ فولادِ سنگ
ذوقِ رنگینی سے ابھرے نقش ہائے رنگ رنگ
جھوم اٹھے ارمان بہکی آرزو لہکی ترنگ
موتئے کی طرح مہکا مہوشوں کا انگ انگ

بند ٹوٹے غرفہ ہائے سیم و زر کھلنے لگے
ہر طرف گویا صنم خانوں کے در کھلنے لگے

دامنِ فولاد تشریفِ کتاں بننے لگا
زہر کا افشردہ آبِ جاوداں بننے لگا
شیشہ یوں پگھلا حریر و پرنیا بننے لگا
سنگ یوں ترشا کہ رخسارِ بتاں بننے لگا

بوندیاں کھنکیں، نقاب الٹی عذارِ حور سے
بنتِ چنگ و رنگ جھانکی غرفۂ انگور سے

پھر درخشاں فکر کی یوں خاک پر برسی شراب
ظلمتوں کی کوکھ سے پیدا ہوئے سو ماہ تاب
پھر اُڑایا علم نے وہ کوکبِ اجرام یاب
جس کی رو میں اُٹھ رہی ہے ماہ تاباں کی نقاب

شور برپا ہے کہ میر آگہی آنے کو ہے
آسماں پر غلغلے ہیں آدمی آنے کو ہے

جیب قدرت صید میں بھر کر قوائے کائنات
اہل غرق و برق نے دم کا دیا روئے حیات
ایک اک قطرے کے عقدے سے نچوڑے سو نکات
ایک اک ذرے کے حلقے سے ابھارے سو جہات

ایک اک گوشے سے پہناور جہاں پیدا کئے
کائی کے پلو سے لاکھوں گلستاں پیدا کئے

شکر یہ کیوں کر ادا ہو اہل ایجادات کا
ایک دریا بہہ رہا ہے طرفۂ مصنوعات کا
جگمگا اٹھا ہے دن کی طرح مکھڑا رات کا
جسمِ آہن میں رواں ہے خون احساسات کا

یوں انہوں نے جزوِ خاک اپنا پسینہ کر دیا
دھات کے آلات کو دانا و بینا کر دیا

جو دُھرا ایجاد کرنے میں ہوا تھا کامیاب
عظمتیں غلطاں ہیں اس کے گرد بے حد و حساب
پرفشاں پہیے کی ہر گردش بہ فیضِ اضطراب
جیب میں ڈالے ہوئے ہے سو طوافوں کا ثواب

وقت اس کے زیر و بم سے حلقۂ جولاں میں ہے
سو سلیمانوں کی ضو اس خاتمِ رقصاں میں ہے

صاحبانِ علم و فن ہیں محسنانِ زندگی
ورنہ اب تک ٹھوکروں کی زد پہ ہوتا ''آدمی''
اِن کے ذوقِ جستجو پر جھلکیاں ہیں غیب کی
یہ وہ ماتھے ہیں نہیں اُٹھتے جو سجدوں سے کبھی

اِن میں سے ہر فرد اویسِ قرنی و حلاج ہے
سر کا زانو تک پہنچ جانا یہاں معراج ہے

اِن کے آگے موسموں کی سختیاں ہیں شرم سار
کھیلتے رہتے ہیں یہ وحشی عناصر کا شکار
ہاں اُنھیں کی کارسازی سے بصد عز و وقار
ہم ہیں آب و خاک کے موتی ہوا کے شہریار

رعب ہے اپنا مسلط کشورِ اضداد پر
کاٹھیاں رکھی ہوئی ہیں پشتِ برق و باد پر

اِن کے حسبِ آرزو مظروف بن جاتا ہے ظرف
قطرہ بنتا ہے گہر ذرہ بنتا ہے شگرف
آگ بن جاتا ہے پانی برق بن جاتی ہے برف
ان کے دم سے دوڑتا ہے رشتۂ آہن پہ حرف

جب یہ اُڑتے ہیں رواں جلوؤں کا دامن تھامنے
کانپتے ہیں ثابت و سیاران کے سامنے

ان میں کوئی خود نوازی کے لئے کوشاں نہیں
صرف اک خدمت کی دھن ہے دوسرا ارماں نہیں
مانگ کھائیں کچھ عبادت سے یہ وہ انساں نہیں
یہ خدایا آدمی سے اجر کے خواہاں نہیں

حسن کے خلاق آب و رنگ کے بانی ہیں یہ
شہر یار کشور اجلال انسانی ہیں یہ

اربابِ حکمت وہدایت
پارۂ دوم

دل کو لیکن سخت استعجاب ہے اے ہم نشیں
اتنے احسانات کے باوصف یہ روشن جبیں
بن نہ پائے زیر سقف آسماں صدر زمیں
اور تو اور آدمی کے حافظے تک میں نہیں

نام ان کا دہر کے آفاق بینوں میں نہیں
یہ سفینوں میں تو ہے موجود سینوں میں نہیں

یہ بظاہر ہے بڑی احساں فراموشی کی بات
حافظوں سے محو ہو جائیں دبیرانِ حیات
کون سلجھائے مگر خم ہائے زلف نفسیات
صرف اسے انساں سمجھتا ہے امیر کائنات

موڑ کر ذہن بشر کو گلستانوں کی طرف
جو اُڑاتا ہے زمیں کو آسمانوں کی طرف

بے شک ایجادات و مصنوعات کی رخشندگی
خاک پر برسا چکی ہے بے نہایت روشنی
روشنی بھی وہ کہ جس سے وجد میں ہے زندگی
معنوی خدمت کی لیکن بات ہے کچھ اور ہی

گھر کو جو چمکائے وہ شمع شبستاں اور ہے
سر کو جو رخشندہ کر دے وہ چراغاں اور ہے

آسمانِ زندگی پر ذہنِ تاباں کا ہلال
مصر کے بازار میں جس طرح یوسف کا جمال
عقل اگر گل ہو تو شمع کشتہ ہے ماضی و حال
لاش ہے انساں اگر چلتی نہیں نبضِ خیال

دارو درماں سے مردوں کا جلانا اور ہے
زندہ انسانوں کو قبروں سے اٹھانا اور ہے

دامنِ ہستی کا پھولوں میں بسانا اور ہے
ایک اک کانٹے کے دل میں ڈوب جانا اور ہے
نخلِ تن کا سرو بالا قد بنانا اور ہے
قامتِ دین و تخیل کا بڑھانا اور ہے

بعد ہائے بحر و بر کے پر کترنا اور ہے
ارتقائی فاصلوں کا قطع کرنا اور ہے

گنبدِ افلاک پر اُڑنا اڑانا اور ہے
زندگی کا کن منا کر مسکرانا اور ہے
ثابت و سیار کو قبضے میں لانا اور ہے
آدمی سے آدمی کا چونک جانا اور ہے

گیتی و گردوں کی پنہائی پہ چھانا اور ہے
اس گھنے جنگل میں خود اپنے کو پانا اور ہے

طبعِ انسانی کو دے سکتا نہیں جو روشنی
نوعِ انسانی کا آقا وہ نہیں بنتا کبھی
آدمی کو جو غذا دیتا نہیں اخلاص کی
امتوں کا مقتدا بنتا نہیں وہ آدمی

قبلہ گاہ اس شخص کو انساں بنا سکتا نہیں
جو بشر کے ذہن کو آگے بڑھا سکتا نہیں

کاہ کی رگ میں جو دوڑاتا ہے خونِ کہکشاں
کھولتا ہے خار کے دل میں جو بابِ گلستاں
گونج اٹھتی ہے رگِ گردون میں جس کی داستاں
نعرہ بنتا ہے اسی کا نام زیرِ آسماں

شمع رکھتا ہے جو وقتِ پرفشاں کی طاق میں
تا قیامت گونجتا ہے گنبدِ آفاق میں

سونپتا ہے جو قلندر کو کلاہِ قیصری
جو بناتا ہے زمیں کو آسماں کا مشتری
چاکری کے سر پہ رکھتا ہے جو تاجِ سروری
بندگی کو بخشتا ہے جو مزاجِ داوری

کھولتا ہے بابِ خودیابی جو یوں انسان پر
ابنِ آدم جھومنے لگتا ہے اپنی شان پر

جو عمل کے طاق میں رکھتا ہے شمعِ اعتدال
ڈالتا ہے خنجرِ بُرّاں پہ جو عکسِ ہلال
بخشتا ہے عارضِ احساس کو جو خد و خال
جس کے دم سے سانس لینا سیکھ جاتا ہے خیال

نور برساتا ہے جو یوں عالمِ ابصار پر
صبح ہو جاتی ہے طالع مطلعِ افکار پر

شام بدنظمی کو دیتا ہے جو صبحِ انتظام
باغِ دل میں نصب کرتا ہے جو دانش کے خیام
ڈالتا ہے دشتِ فطرت میں جو طرحِ سقف و بام
بخشتا ہے جسمِ حکمت کو جو اعصابی قوام

فکر و فعل و قول پر رہتا ہے جو چھایا ہوا
جگمگا اُٹھتا ہے جس سے قلبِ گہنایا ہوا

لطف سے جو موڑتا ہے جادہ ہائے نفسیات
جو بدل دیتا ہے آب و رنگِ تصویرِ صفات
جس سے بن جاتا ہے تعمیری تصورِ ذی حیات
جس سے تنہائی میں روحِ زندگی کرتی ہے بات

محفلِ آفاق میں تابندہ رہتا ہے وہی
نفسِ عالم گیر بن کر زندہ رہتا ہے وہی

جو سمجھتا ہے محلِ حکمِ تعجیل و دِرنگ
جو حَکم ہوتا ہے مابین اُمورِ صلح و جنگ
جس کو چھو کر پنکھڑی کا روپ بھر لیتا ہے رنگ
بخشتا ہے جو نقوشِ فکر کو ترتیب رنگ

جھوم کر بادل کی صورت خیمۂ اخلاق پر
پھول برساتا ہے جو تاریخ کے اوراق پر

مرحمت کرتا ہے سینوں کو دوبارہ جو بشر
وقتِ سارق سے متاعِ بردۂ دل چھین کر
نوعِ انساں کو عطا کرتا ہے جو بارِ دگر
آدمی کے دیدۂ باطن کی مسروقہ نظر

اور برآمد کر کے جیبِ دُزد سے ایقان کو
بخشتا ہے جاگتا انسان جو انسان کو

ڈھالتا ہے جو نئے سانچوں میں آئین جہاں
جو عطا کرتا ہے فکر تازہ کو چشم وزباں
جو عمل کے کالبد میں نفخ کرتا ہے رواں
بخشتا ہے جو تخیل کے بدن کو استخواں

دن بنا کر خود پرستی کی اندھیری رات کو
جو سکھاتا ہے خرام ناز احساسات کو

بخشتا ہے جو سخن سے قلب انساں کو دمک
جس کے لعل نغز گو سینوں میں بنتے ہیں دھنک
سیکڑوں ذی ہوش انسانوں کو وقت مرگ تک
ہر نفس آتی ہے اپنی سانس سے جس کی مہک

انشراح صدر کی مہندی لگا کر پاؤں میں
ٹہلتی ہے زندگی جس کی نظر کی چھاؤں میں

ولولوں کی سطح کو دیتا ہے جو آب گہر
جس کے روشن سائے میں پروان چڑھتی ہے نظر
جس کے لہجے میں گندھے ہوتے ہیں سو شمس وقمر
جس کے لفظوں کے اُفق پر جگمگاتی ہے سحر

نام رہتا ہے اسی کا خاطر ممنون میں
جس کے فقرے دوڑتے ہیں آدمی کے خون میں

بخشتا ہے معتدل فکر وعمل کو جو وقار
آندھیوں کو جو بناتا ہے نسیم لالہ زار
جس کے ابر نطق سے پاتی ہے سیرت برگ وبار
معنوی آبائے انسانی میں ہوتا ہے شمار

بارشیں قرنوں کی اُس کا قصر ڈھا سکتی نہیں
آندھیاں اس کے چراغوں کو بجھا سکتی نہیں

حسینؑ

پارۂ سوم

تھا انھیں آبائے انسانی میں اک مردِ جلیل
قبلۂ عالم، امام عصر، امیر بے عدیل
اعتبار موج کوثر، آبروئے سلسبیل
فخرِ اسمٰعیل جانِ مصطفےٰؐ نازِ خلیلؑ

محورِ گیتی و گردوں مرکزِ دنیا و دیں
مہبط آوازِ حق مخدومِ جبرئیل امیں

شاہ ارباب حوادث، شارعِ دین وفا
مخزنِ جنس ہدایت، مصدرِ صدق وصفا
صاحبِ امر قدر سلطان آئین قضا
شاہد گل پیرہن شہزادۂ رنگیں قبا

کردگارِ عصر عرفاں، شہر یارِ زندگی
کشتۂ حق فاتح مرگ افتخار زندگی

ماہِ ایماں راہ عرفاں شاہِ احساں جاہ دیں
شانِ حق آنِ کرم جانِ صفا کانِ یقیں
پور حیدر، صور ہیجاں، نور جاں، طور مبیں
آب ایقاں باب ضوتاب فلک داب زمیں

اوج بام دل نوازی موج بحر التفات
بدر چرخ سرفروشی صدر بزم کائنات

عالم اسرارِ عالم عارف ذات وصفات
ناظم شہر ثقافت ناشر اخلاقیات
ناصر حق پیکر آئین دستور نجات
نازشِ تاریخ میر وقت و دارائے حیات

حرف دیں نطق مبیں درس عمل فخر ملل
بربط دست مشیت نغمۂ ساز ازل

مطلع مہر شہادت مشرق ماہِ شہود
مصلح اوضاع ہستی معنی حرف وجود
منزل اشراق معراج بشر موج صعود
منبر الطاف محراب کرم میزان جود

مظہر حسن عمل شمع حریم حیدریؑ
مورث اقطابِ عالم وارثِ پیغمبری

منکسر خوددار شبنم طبعِ صفدر بردبار
صبر پیماں شام گستر روز در شب زندہ دار
تاج کوب اورنگ سوز ایواں شکن سلطاں شکار
اوصیاؑ اجلال پیغمبر حشم یزداں وقار

جامع ابریق سنداں صاحبِ سیف وقلم
چتر حق بالائے سرتاج شہاں زیر قدم

شمع عرفاں آفتاب رشد قندیل اصول
مشعل باب نبوت کعبۂ حسن قبول
بوستان مرتضیٰ فردوس آغوش بتولؑ
زینت اورنگ قدرت راکب دوش رسولؐ

اسم اعظم در بغل گل ہائے عرفاں در کلاہ
خلد بر کف آسماں بر دوش کرسی برنگاہ

عصرِ حسینؑ
پارۂ رابع

ہاں اسی کے دور میں گیتی پہ چھایا تھا جنوں
آدمی پر چل گیا تھا حبِ دولت کا فسوں
بج رہے تھے منبروں پر سیم و زر کے ارغنوں
حملہ آور ہوگئی تھی دین پر دنیائے دوں

ظلمتوں کے ٹھٹ لگے تھے روشنی کے سامنے
موت منھ کھولے کھڑی تھی زندگی کے سامنے

خیر و شر کے قاعدے سود و زیاں کے ضابطے
زیست کے محکم اصول انسانیت کے مسئلے
کیف و کم کی مشعلیں اقدار نازک کے دئے
رہگزار باد پر رکھے ہوئے تھے دیر سے

بڑھ چکے تھے برق و طوفاں سفینوں کی طرف
اٹھ رہے تھے سیکڑوں گھن آبگینوں کی طرف

جمع تھے گنجِ ہدایت میں جو معنی کے گہر
علم و حلم و بذل و فضل و رافت و فکر و نظر
روشن آوازوں کے انجم شستہ لمحوں کے قمر
آ رہی تھی آنچ ان کل سکہ ہائے نور پر

قاہری بے چین تھی کروٹ بدلنے کے لئے
شعلہ جھپٹا تھا شگوفوں کو نگلنے کے لئے

لیلیٰ حق کے اجاڑے جا رہے تھے خد و خال
مصحفِ دوراں کے پھاڑے جا رہے تھے ماہ و سال
نعرہ ہائے شہر یاری نے بذوقِ جاہ و مال
چھین لی تھی گوشِ انسانی سے آوازِ بلال

لے رہی تھی پینگ تاریکی دلوں کے شہر میں
بہہ رہی تھی دھوپ صلح و آشتی کی نہر میں

قصر شاہی میں بھنبھوڑی جا رہی تھی زندگی
دست وحشت سے جھنجھوڑی جا رہی تھی زندگی
موت کی خاطر نچوڑی جا رہی تھی زندگی
سوئے تاج وتخت موڑی جا رہی تھی زندگی

اور جھوڑا جا رہا تھا زندگی کے باغ کو
توڑ کر موتی کھلائے جا رہے تھے زاغ کو

بجھ گئے تھے ہر روش پر رشد کے نقش قدم
چگ رہا تھا بہترین اوصاف کو بوم درم
خندہ زن تھا قصر کی صولت پہ دولت کا بھرم
پرفشاں تھا خود حرم کے بام پر شاہی علم

پل پڑا تھا لشکر حیوانیت انسان پر
پاؤں رکھا چاہتی تھی خسروی قرآن پر

گھر چکی تھی تیرگی کی یورشوں میں شمع طور
شعلہ ہائے روشنی ہونے ہی کو تھے چور چور
زلزلوں کی حکمرانی تھی زمیں پر دور دور
ہل رہے تھے قصر ہائے مقبلانِ ذی شعور

پختہ کاران جہاں بھی صید فکر خام تھے
انبیا عرش بریں پر لرزہ براندام تھے

تیرگی کی جیب میں تھی دولت شمس وقمر
جل رہا تھا خانۂ دیرینۂ فکر و نظر
زندگی پر یوں جہنم کا تسلط دیکھ کر
اک عظیم انسان بہر خدمت نوع بشر

رنگ بھرنے زندگی کے نقش میں قانون کا
دوش پر لے کر سبو آیا خود اپنے خون کا

خونِ حسین

اور زوالِ جہاں بانی

پارہ خامس

جس کے ہر قطرے میں تھی قلزم کی طغیانی وہ خون
کاہ جس کی راہ میں تھا کوہ سلطانی وہ خون
جس کے آگے خسروی کی آگ تھی پانی وہ خون
غرق ہو کر رہ گئی جس میں جہاں بانی وہ خون

جس کی موجوں میں خم تیغ و مزاج سنگ تھا
نوحؑ کا طوفان جس کے دبدبے سے دنگ تھا

جو لوائے عزم و اعلان صداقت تھا وہ خون
جو چراغ حکمت و شمع ہدایت تھا وہ خون
خاک پر جو آبشار آدمیت تھا وہ خون
جو علیل انسانیت کا غسل صحت تھا وہ خون

جس نے ظلمت کو خیابانِ چراغاں کر دیا
کفر پر وہ رنگ برسایا کہ ایماں کر دیا

جو طبیب و چارہ ساز نوع انساں تھا وہ خون
گردن قاتل پہ جو شمشیر براں تھا وہ خون
ساغر مقتول میں جو آب حیواں تھا وہ خون
جو نبوت کے ادارے کا نگہباں تھا وہ خون

عرصۂ آفاق جس کی وسعتوں پر تنگ تھا
جس کے پرتو سے رخ پیغمبری گل رنگ تھا

جس میں غلطیدہ تھا اوجِ روحِ انسانی وہ خون
جس میں تھی رُوح الامیں کی بال جنبانی وہ خون
جس میں تھی مہر نبوت کی درخشانی وہ خون
دیکھتے تھے جس میں منھ آیاتِ قرآنی وہ خون

جس کی ہر اک بوند میں طوفانِ صد آہنگ تھا
جس میں روئے مرتضےٰؑ و مصطفےٰؐ کا رنگ تھا

چرخ پر مانند ابر کعبہ جو چھایا وہ خون
جس نے رُوحِ نوعِ انسانی کو چونکایا وہ خون
ڈوبتے قرآن کو ساحل پہ جو لایا وہ خون
خود مشیت کے جو آڑے وقت کام آیا وہ خون

کاٹ کر باطل کا سر اپنی انوکھی دھار سے
جس نے یزداں کو بچایا اہرمن کے وار سے

جنتِ پیغمبرؐ کی جس میں نوحہ خوانی تھی وہ خون
زینبؑ و کلثومؑ کی جس میں کہانی تھی وہ خون
پھول سے بچے کی جس میں بے زبانی تھی وہ خون
قاسمؑ و اکبرؑ کی جس سے نوجوانی تھی وہ خون

جس کی ہر اک بوند میں یادِ علم بردار تھی
جس سے اک بیمارؑ کی زنجیر میں جھنکار تھی

ہاں اُسی کی رو میں روحِ صفدری آگے بڑھی
خامشی کانپی، نشیدِ حیدری آگے بڑھی
تھرتھرائیں ظلمتیں، پیغمبری آگے بڑھی
جگمگائی صبح تابِ داوری آگے بڑھی

اس زمیں کو داد اَوجِ آسماں دینے لگا
ذرہ ذرہ قبلہ رُو ہو کر اذاں دینے لگا

ہیبتِ حق، دہشت انگیزوں پہ طاری ہو گئی
ہر پلک آنکھیں جھکیں ڈر کر تو بھاری ہو گئی
تاج داری کی جلالت غرق خواری ہو گئی
پارہ، پارہ، آبروئے شہر یاری ہو گئی

خون کے بادل اٹھے قلعوں کی جانب مڑ گئے
اور یوں برسے پہاڑوں کے پرخچے اُڑ گئے

نوحۂ غم بن گیا ہر نغمۂ فتح و ظفر
دابِ حق سے زلزلے خود ہو گئے زیر و زبر
قصر کی تکمیل سے اُبھری شکستِ بام و در
فرقِ شاہنشاہ پر گھن بن گئی قندیلِ زر

گردنیں خود اپنی ہی تیغوں سے کٹ کر رہ گئیں
کشتیاں ساحل پر آتے ہی اُلٹ کر رہ گئیں

صاحبانِ آب و ساغر دشت و صحرا بن گئے
خستگانِ تشنہ لب تسنیم و طوبیٰ بن گئے
دیو پیکر صید مرگِ صبر پیما بن گئے
اور جو بے جان تھے رشکِ مسیحا بن گئے

کیا غضب ہے جو ڈراتے تھے وہ خود ہی ڈر گئے
یہ عجب ہے جی اٹھے مقتول قاتل مر گئے

یوں بجھا کر رکھ دیئے آہوں نے دولت کے دیئے
آنسوؤں میں بہہ گئے طبل و علم کے دبدبے
بیڑیوں کی گونج سے ایوان تھرانے لگے
ایک بی بیؑ کی خطابت نے وہ ڈالے زلزلے

اشکِ خوں روشن ہوئے نظروں سے تارے گر گئے
خاک پر قصرِ حکومت کے منارے گر گئے

گوہرِ خوش آب نے شعلے کو پانی کر دیا
ضعف نے طاقت کو صیدِ ناتوانی کر دیا
فقر نے دولت کو محوِ نوحہ خوانی کر دیا
دین نے دُنیا کو وقفِ سرگرانی کر دیا

صرف اک تنویر نے ظلمت کی خندق پاٹ دی
ہتھکڑی کی دھار نے لوہے کی گردن کاٹ دی

منافقین واسلام

دوم
پارۂ خامس

اہل دل سے کہہ رہی ہے یہ مورخ کی زباں
بعد پیغمبر ہوئی تھیں کس طرح سرگوشیاں
چھا گیا تھا ہر طرف کس طرح دولت کا دھواں
کیا دبے پاؤں چلے تھے سازشوں کے کارواں

اب بھی ان امواج میں ڈوبی پڑی ہے کربلا
ہاں انہیں کی ایک تاریخی کڑی ہے کربلا

کربلا میں امرِ حق کی برتری سے جنگ تھی
طاقت نانِ شعیرِ حیدری سے جنگ تھی
عظمت دیرینۂ پیغمبری سے جنگ تھی
جس کا قرآں میں ہے ذکر اس داوری سے جنگ تھی

کب نفاق اربابِ حق سے برسرِ پیکار تھا
وہ خدا پر آخری لات وہبل کا وار تھا

کفر نے کاٹا نہیں تھا مصحفِ ناطق کا سر
اصل میں قرآن وہ پھینکا گیا تھا پھاڑ کر
حملہ آور ابن حیدر پر نہ تھے اربابِ شر
ضرب تھی وہ اصل میں اسلام کی بنیاد پر

چند جاں بازوں کی جانب رخ نہ تھا آفات کا
دن پہ وہ دراصل دھاوا تھا اندھیری رات کا

وہ نہ تھا افتادِ طشتِ حق کا صوتی ارتعاش
مصطفیٰؐ سے دشمنی کا وہ ہوا تھا راز فاش
خیمۂ شبیر کو گھیرے نہیں تھے بدقماش
گردنِ حق کے لئے تھی ریسماں کی وہ تلاش

اشقیاء جھپٹے نہ تھے ابن شہ لولاک پر
اصل میں بت آستینوں سے گرے تھے خاک پر

اے محبانِ حسین

کچھ خبر بھی ہے محبانِ حسینؑ دور ہیں
موت ہے شبیریت کے دائرے میں انگبیں
اتباعِ مرشدِ حق پرور و عہد آفریں
کاروبار مرگ ہے بازیچۂ طفلاں نہیں

زہر سے لبریز ہے جام حسین ابن علی
جان دینا ہو تو لو نام حسین ابن علی

رعب سلطانی کو ٹھکراؤ تو لو نام حسین
بولتے رن میں نہ گھبراؤ تو لو نام حسین
دشمنوں کی پیاس بجھواؤ تو لو نام حسین
موت کی چھاتی پر چڑھ جاؤ تو لو نام حسین

حلق سے تیغوں کا منہ موڑو تو لو نام حسین
برگ سے فولاد کو توڑو تو لو نام حسین

خود پہ بابِ تشنگی کھولو تو لو نام حسین
دل کو برق و رعد میں تولو تو لو نام حسین
دوست وار دشمناں ہو لو تو لو نام حسین
تیغ کے نیچے بھی سچ بولو تو لو نام حسین

ظلم کی تعمیر کو ڈھا دو تو لو نام حسین
شمع سے آندھی کو ٹکرا دو تو لو نام حسین

خود کو تیغوں کی طرف ریلو تو لو نام حسین
مسکرا کر آگ سے کھیلو تو لو نام حسین
جملہ ممکن سختیاں جھیلو تو لو نام حسین
اول اپنا امتحاں لے لو تو لو نام حسین

ہاں پرکھ لو خوب ہمت کو تو لو نام حسین
جانچ لو اپنی شرافت کو تو لو نام حسین

خانہ بربادی پہ اتراؤ تو لو نام حسین
بے کسی پر ناز فرماؤ تو لو نام حسین
چاند سے ٹکڑوں کو گہناؤ تو لو نام حسین
رن میں اک بے شیر کو لاؤ تو لو نام حسین

بے کسی کی موت نعمت ہو تو لو نام حسین
دھوپ میں سونے کی ہمت ہو تو لو نام حسین

عزت دستور پر جو سر کٹا سکتا نہیں
جو خود اپنے ہی چراغوں کو بجھا سکتا نہیں
تان کر سینے کو جو میداں میں آ سکتا نہیں
موت کو جو اپنے کاندھے پر اٹھا سکتا نہیں

ہاں خود اپنے خون میں کشتی جو کھے سکتا نہیں
وہ حسین ابن علی کا نام لے سکتا نہیں

اے حسینؑ

پارہ سادس

اے حسین ابن علی اے خسرو روحانیاں
اے دماغ پختہ کی آواز اے دل کی زباں
اے شہ ملک ابد اے راکب عصر رواں
موت سے تیری ابلتی ہے حیات جاوداں

تو ازل سے تا ابد پھیلا ہوا منشور ہے
اے کہ تیرا وقت کے دونوں سروں پر نور ہے

کر دیا تو نے یہ ثابت اے دلاور آدمی
زندگی کیا موت سے لیتا ہے ٹکر آدمی
کاٹ سکتا ہے رگ گردن سے خنجر آدمی
لشکروں کو روند سکتے ہیں بہتر آدمی

ضعف ڈھا سکتا ہے قصر افسر و اورنگ کو
آبگینے توڑ سکتے ہیں حصار سنگ کو

پشت پر تیری ہیں اتنی عظمتوں کے کارواں
سجدہ کرتی ہے زمیں کو صولت ہفت آسماں
یوں ترے سر پر ہے گرداں چترِ عمر جاوداں
دنگ ہیں تاج مسیح و خضر کی تابانیاں

تو بشر کی ہمت عالی کا وہ اعجاز ہے
جس پہ یزداں و بشر دونوں کو اب تک ناز ہے

تو صدا دے کر نہ پلٹاتا جو سوئے آب جو
تشنہ لب انسان مر جاتا بھٹک کر کو بہ کو
اہل دنیا بر بنائے آرزوئے رنگ و بو
اہرمن کی سمت مڑ جاتا اگر ہوتا نہ تو

اس زمین پر کھینچ کر تو نے حدیں آئین کی
زلزلوں کی پشت پر رکھ دی بنا تمکین کی

پرتو آیات ہے تیرے دل حساس پر
تو گہر افشاں قلم ہے کوثریں قرطاس پر
زندگی تلتی ہے تیرے خون کی مقیاس پر
کشتیٔ ایثار چلتی ہے ترے انفاس پر

کاروانِ ارتقا کا رہبر کامل ہے تو
سینۂ گیتی و گردوں کا دھڑکتا دل ہے تو

تیری موج نطق میں ہے نغمۂ سازِ حیات
تیرا ہر خط جبیں ہے جادۂ ذات و صفات
تیری ہر موج نفس ہے انشراحِ کائنات
تیری مژگاں کی ہر اک لرزش ہے تفسیر حیات

جھومتے رہتے ہیں عرش و فرش تیرے ساز سے
زندگی جنبش میں آتی ہے تری آواز سے

نصب تو نے کر دیئے انساں کی عظمت کے خیام
مرحمت تو نے کیا توقیرِ آدم کو دوام
جھوم کر تو نے شہادت کا پیا جس وقت جام
روحِ دوراں نے محمد کو کیا جھک کر سلام

مصطفیٰ کی کشتیِ نازش کو کھینے کے لئے
انبیاء آئے مبارک باد دینے کے لئے

تشنگی کو موجۂ یم نے مبارک باد دی
خاک داں کو عرشِ اعظم نے مبارک باد دی
فاتحِ خیبر کو آدم نے مبارک باد دی
فاطمہ زہرا کو مریم نے مبارک باد دی
فتح کے نغمات نکلے زندگی کے ساز سے
کبریا نے قدسیوں کی سمت دیکھا ناز سے

ذرہ ذرہ جلوہ گاہ ماہِ کنعاں ہو گیا
حلقۂ خشت وخزف گوہر بہ داماں ہو گیا
بارگاہ آدمیت میں چراغاں ہو گیا
رشتہ برپا ذہن انسانی خراماں ہو گیا

پیکرِ ہستی میں نبضِ مدعا چلنے لگی
جس سے جی اٹھتے ہیں مردے وہ ہوا چلنے لگی

اے حسین اب تک تیرا نقشِ قدم تابندہ ہے
زندہ ہے پائندہ ہے نازندہ و رخشندہ ہے
روشن و پائندہ و بالندہ و بخشندہ ہے
گام زن تو جس پہ تھا وہ جادہ اب تک زندہ ہے

ضوفگن ہے ذہن کے ہر بند پر ہر جوڑ پر
شمع جو تابندہ ہے تیری گلی کے موڑ پر

سیکڑوں قلزم ملا کرتے ہیں تیرے جام سے
سیکڑوں گردوں بنا کرتے ہیں تیرے بام سے
کس غضب کی لو نکلتی ہے ترے پیغام سے
زندگی کو جھرجھری آتی ہے تیرے نام سے

گونجتا ہے روح میں ہر نغمہ تیرے ساز کا
آج بھی کوندا لپکتا ہے تری آواز کا

اے حسین ابن علی اے بندۂ یزداں صفات
نور سے تیرے جھمکتی ہے جبین کائنات
محو ہو جائیں اگر دنیا سے تیرے واقعات
گنبد تاریخ پر چھا جائے ہیبت ناک رات

بھول سکتا ہی نہیں انسان قربانی تری
حافظے کے فرق کا جھومر ہے پیشانی تری

اے فضائے قدس کے ابر خراماں السلام
السلام اے شمعۂ ایوان عرفاں السلام
السلام اے طرۂ تاج شہیداں السلام
السلام اے ذوالکلام و زندہ قرآں السلام

السلام اے سطوت محراب و منبر السلام
السلام اے خسرو ناموس اکبر السلام

اے گلوئے زیر شمشیر عدو تجھ پر سلام
کربلا کی خاک پر بہتے لہو تجھ پر سلام
دودمانِ مصطفےٰ کی آبرو تجھ پر سلام
اے بہ خوں غلطیدہ زلف مشک بو تجھ پر سلام

دین اہل درد و جان اہل ماتم السلام
شانۂ ایماں کے اے گیسوئے برہم السلام

شاہ غم کی شان میر سوگواراں السلام
مشعل افسردۂ شام غریباں السلام
اے مرے ڈوبے ہوئے مہر درخشاں السلام
اے دیار فاطمہ کے ماہ کنعاں السلام

قلب تسلیم ورضا کے صبر و افسر السلام
السلام اے دشت غربت کے مسافر السلام

سینۂ عباس کے سوز نہانی کو سلام
توسن ابن مظاہر کی روانی کو سلام
اصغر معصوم تیری بے زبانی کو سلام
اکبر نو خیز تیری نوجوانی کو سلام

مصطفیٰ کے لال کو حیدر کے پیارے کو سلام
فاطمہ زہرا تری آنکھوں کے تارے کو سلام

اے زمیں کی خسروی گردوں کی شاہی کو سلام
اے مدینے کی نسیم صبح گاہی کو سلام
اے شہادت کی ادائے کج کلاہی کو سلام
اے اجل کے روندنے والے سپاہی کو سلام

اے مرے ساونت اے میرے جری تجھ پر سلام
ناخدائے کشتی پیغمبری تجھ پر سلام

پھر بشر کے ذہن پر عکس جنوں ہے یاحسین
پھر حقیقت رہن اوہام وفسوں ہے یاحسین
پھر دل اقدار نازک غرق خوں ہے یاحسین
پھر بشر باطل کے آگے سرنگوں ہے یاحسین

آ دل انجام کو پھر گرمیِ آغاز دے
اے بہادر وقت کی آواز پر آواز دے

ہو چکے ہیں غرق پھر شیرازہ بندی کے عروق
پھر رواں ہیں ذلتیں سوئے تنفر جوق جوق
پھر شریعت ہے مساواتِ بشر کی بے وثوق
پھر خجل ہیں نوع انسانی کے بنیادی حقوق

پھر بغاوت کر رہا ہے زندگی سے آدمی
دیکھ پھر ٹکرا رہا ہے آدمی سے آدمی

پھر حیات نوع انسانی ہے کجلائی ہوئی
گل پڑے ہیں ولولے جرأت ہے مرجھائی ہوئی
پھر زمین و آسماں پر موت ہے چھائی ہوئی
موت بھی کیسی خود اپنے ہات کی لائی ہوئی

چہرۂ امید کو رخشندگی دے یا حسین
زندگی دے زندگی دے یا حسین

عکس اپنا ڈال پھر اس خاکداں پر اے حسین
پھر عطا فرما حدیث دل کو منبر اے حسین
بخش دے پھر بستہ قطرے کو سمندر اے حسین
زور حیدر زور حیدر زور حیدر اے حسین

خشک ہونے پر ہے جوئے عزم انساں یا حسین
موج طوفاں موج طوفاں موج طوفاں یا حسین

ہونکتا پھرتا ہے پھر سرمایہ داری کا وقار
اٹھ چکا ہے پھر عوامی برتری کا اعتبار
پھر خزاں کی آستاں بوسی پہ نازاں ہے بہار
پھر خدا کا ذوق تخلیق بشر ہے شرم سار

پھر زبوں ہے نفس انسانی کی حالت یا حسین
آ کہ پھر دنیا کو ہے تیری ضرورت یا حسین

جہل پھر رکھے ہوئے ہے علم کے سر پر قدم
خاک میں پھر مل چکا ہے آدمیت کا بھرم
زندگی پر مارتے پھرتے ہیں ٹھونگیں پھر درم
کھل چکا ہے پھر دل انساں میں سونے کا علم

پھر دف زر بج رہا ہے شور ہے اشرار کا
صف شکن یہ وقت ہے پھر تیغ کی جھنکار کا

ہم کو تیر اور خود بھی خون کے دھارے میں تیر
دیکھ دیوار حرم تک آچکا ہے سیلِ دیر
شیر دولت نعرہ زن ہے تیغ اٹھا اے روح خیر
راہ پر چاندی نہیں آئے گی لوہے کے بغیر

یوں ہمیں للکار ہم بڑھ کر چٹانیں توڑ دیں
خیبر تہذیب زر کی سمت باگیں موڑ دیں

اے مجاہد روح پھر سینوں کو دے سوز شرر
اے مقدس تشنگی مواج ہو سر سے گذر
اے پیمبر موت انوکھی زندگی بن کر ابھر
اے مقرر خامش منبر پہ آ تقریر کر

اے لہو پھر قہقہۂ پیشانی کردار بن
اے جراحت میان سے باہر نکل تلوار بن

دیکھ پھر قصر جہنم بن چکا ہے روزگار
آنچ میں غلطیدہ ہے پھر خیمۂ لیل ونہار
سرزمیں پر حکم راں ہے باہزاراں اقتدار
آتش و دود و دخان و شعلہ و برق و شرار

زندگی ہے برسر آتش فشانی یا حسین
آگ دنیا میں لگی ہے آگ پانی یا حسین

آوازۂ حق

کیوں کر نہ کروں شکر خدائے دو جہاں کا
بخشا ہے میرے دل کو مزا سوزِ نہاں کا
یکساں ہے مسرت کا غل ہو کہ فغاں کا
ہو نارِ جہنم بھی تو لطف آئے جناں کا
ہوتی ہے خوشی صحت و آزار سے مجھ کو
خلعت یہ ملا ہے تری سرکار سے مجھ کو

سینے میں چھپائے ہوں جو انوار کسی کے
دل میں نہیں آتے ہیں خیالات دوئی کے
رونے کے ہوں اسباب کہ سامان ہنسی کے
جو چیز ہے ڈھل جاتی ہے سانچے میں خوشی کے
لیلائے شب تار ہے یا حور سحر ہے
جس حال میں ہوں "حسن" مرے پیش نظر ہے

اغیار کی فوجیں ہوں کہ احباب کی محفل
گرمی کے بگولے ہوں کہ لیلیٰ کی ہو محمل
راہوں کی صعوبت ہو کہ خوابِ سرِ منزل
ہوتا ہے ہر اک چیز سے بشاش مرا دل
صد شکر مرے دل پہ حقیقت یہ عیاں ہے
ہر آئینے میں دوست کی تصویر نہاں ہے

ہر بات میں اک حسن ہے ہر شے میں نفاست
بدشکل کوئی چیز نہیں ہو جو بصارت
رونا بھی ہے اک راگ جو کامل ہے سماعت
ہر اشک کے ساغر سے ابلتی ہے بشاشت
آنکھیں ہوں اگر نار میں ہے نور کا جلوہ
ہر ذرۂ ناچیز میں ہے طور کا جلوہ

ہو ریگ کا انبار کہ برسات کا دریا
وہ جیٹھ کی ہو دھوپ کہ بادل کا ہو پردا
وہ لو کے تھپیڑے ہوں کہ ہو لوچ صبا کا
وہ خال سیہ ہو کہ چمکتا ہوا تارا
اے حسن کے صانع ترے اسرار نہاں ہیں
ہر شے میں کم و بیش کچھ انوار نہاں ہیں

شادی والم رنج و خوشی مدح و مذمت
آشفتگی وعیش و طرب دردو مصیبت
آشوب جہاں ،شام بلا صبح مسرت
سب ایک نظر آئیں جو ہو روح میں قوت
ہم دل کا اگر ساز ستاروں سے ملا دیں
گو تار بہت سے ہیں مگر ایک صدا دیں

نالے میں ہے جو نغمۂ بلبل میں نہیں ہے
جو زلف پریشاں میں ہے سنبل میں نہیں ہے
اکثر جو ہے اجزا میں کشش کل میں نہیں ہے
کانٹے میں بھی اک شان ہے جو گل میں نہیں ہے
در پردہ یہ سب ایک ہیں ظاہر میں جدا ہیں
سب اپنے مقامات پہ تصویر خدا ہیں

پیشانی تشویش میں ہے جلوۂ تمکیں
تلخی میں بھی پوشیدہ ہیں کچھ جوہر شیریں
ہر درد کی ایذا میں ہے اک پہلوئے تسکیں
جو داغ ہے وہ دل کے لئے تاج ہے زریں
یہ دل جو دھڑکتا ہے تو ایک قسم کی گت ہے
ہر زہر میں سنتے ہیں کہ تریاق کا ست ہے

جن کی یہ تمنا ہے کہ دائم رہیں مسرور
ہیں فلسفۂ طرز تمدن سے بہت دور
افراط خوشی غم ہے یہ فطرت کا ہے دستور
صدموں مین رخ راحت و آرام ہے مستور
ضو لطف کی ہے پردۂ آفات کے پیچھے
پنہاں ہے سپیدائے سحر رات کے پیچھے

دب جاتے ہیں غم سے جو خیالات ہیں اسفل
ہو جاتے ہیں انسان کے اخلاق مکمل
غم نفس کا قاتل ہے تو باطن کی ہے صیقل
مرجاتا ہے جب سانپ نکل جاتے ہیں سب بل
جی کھول کے رونا ہے علاج آنکھ کے تل کا
ہر آہ سے کچھ زہر نکل جاتا ہے دل کا

تکلیف کو تفریح بنا لینے کی صنعت
حاصل ہے انہیں جو ہیں پرستار حقیقت
آئینہ ہے اسرار کا ہر منظر قدرت
وہ چاند کی خنکی ہو کہ سورج کی حرارت
مہمل ہیں یہ لفظیں "یہ برا ہے وہ بھلا ہے"
جو کچھ ہے وہ صرف ایک تبسم کی ضیا ہے

ہو دوست کے پہلو میں نشیمن تو مسرت
مل جائے اگر راہ میں دشمن تو مسرت
ہو زیر قدم سبزۂ گلشن تو مسرت
کانٹوں میں الجھ جائے جو دامن تو مسرت
تدبیر اگر وصل کی ہو، رقص کی جا ہے
اور ہجر کی شب ہو تو تڑپنے کا مزا ہے

دنیا خس و خاشاک ہے دامن کو ہٹا لے
نازک ہے بہت دل غم ہستی سے بچا لے
اشکوں کے بخارات میں رہ دل کو سنبھالے
دانا ہے جو ہر غم میں خوشی ڈھونڈھ نکالے
کب شیشۂ دل گرد تکدر کے لئے ہے
ہر رنج میں آرام بہادر کے لئے ہے

پردے کو تعین کے در دل سے اٹھا دے
کثرت نہیں وحدت ہے یہ آنکھوں سے دکھادے
ہاں بڑھ کے حجاب رخ جانا نہ ہٹادے
میداں کو حدیں توڑ کے ہموار بنا دے
چوٹی سے چلے کوہ کی خورشید کا جلوہ
ہستی کی رگ و پے میں ہو توحید کا جلوہ

جو سعی میں سرگرم ہے دو اس کے ہیں انجام
سرسبز ہو یا شوئ قسمت سے ہو ناکام
سرسبز اگر ہو تو مسرت کے چلیں جام
ناکام جو ہو تو بھی پئے بادۂ گل فام
یہ دو وہ دوائیں ہیں جو یکساں ہیں اثر میں
جو یاس میں لذت ہے وہی فتح و ظفر میں

اے دوست بتاتا ہوں تجھے روح کے اسرار
صدموں سے اگر چور ہے تیرا دل بیمار
آنکھیں تو اٹھا دیکھ ذرا حسن کے انوار
یہ چاند یہ سورج یہ نباتات یہ کہسار
کیوں تیرے خیالات پریشاں ہیں برادر
اک غم ہے، تو سو عیش کے ساماں ہیں برادر

غنچوں کی حیا گل کی ہنسی اوس کے گوہر
زرتار شفق، سرد ہوا، باغ معطر
رنگین گھٹا، قوس قزح، مہر منور
نغمے یہ پرندوں کے، پہاڑوں کے یہ منظر
ہے کون سی خوبی جو مہ نو میں نہیں ہے
کیا باغ ارم صبح کے پرتو میں نہیں ہے؟

یہ غم ہے وہ راحت ہے یہ عقبیٰ ہے یہ دنیا
ان تنگ خیالات کے سائے سے نکل آ
ہر فکر سے منہ پھیر لے ہر رنج کو ٹھکرا
اونچا ہو بلندی پہ جھلک روح کو چمکا
محفل میں تصوف کی تجھے بار ملے گا
ہر سانس میں اک مصر کا بازار ملے گا

اُترے گی ترے دل میں ضیائے رخ جاناں
کانٹوں میں بھی تجھ کو نظر آئیں گے گلستاں
آنکھیں ترے تلووں سے ملیں گے جن وانساں
جنت سے ہوا دے گا تجھے حور کا داماں
غل حشر میں ہوگا ہے یہ حیدر کا شرابی
آتا ہے وہ مے خانۂ کوثر کا شرابی

آزاد بھی ہو کشمکش سود و زیاں سے
ہاں دل کو بچا تیرگئ آہ و فغاں سے
لمحے جو گزرتے ہیں پھر آئیں گے کہاں سے
باہر تو نکل وہم کے تاریک مکاں سے
پھیلی ہے جہاں میں رخ جاناں کی تجلی
وہ دیکھ بلندی پہ ہے عرفاں کی تجلی

اس راہ مہمات میں آ، گر ہے جواں مرد
یہ راہ ہے جس میں نہیں اڑتی ہے کبھی گرد
چہرے بھی اس راہ میں ہوتے ہی نہیں زرد
پھولوں کی مہک آتی ہے چلتی ہے ہوا سرد

دنیا ہے یہ وہ جس میں فلک ہے نہ زمیں ہے
ذرے میں یہاں وہ ہے جو سورج میں نہیں ہے

طے ہوتی ہے یاں دل کے دھڑکنے سے مسافت
سائے کی نہ حاجت ہے نہ ساماں کی ضرورت
اس راہ میں آنکھیں بھی اٹھاؤ تو نحوست
اس بزم میں گر سانس بھی لیجیے تو کثافت

نسبت کچھ اسے عالم ظاہر سے نہیں ہے
کچھ بحث یہاں مومن و کافر سے نہیں ہے

کیا خوب ہیں اس انجمن خاص کے دستور
بے قدر ہے جب تک کہ نہ ہو شیشۂ دل چور
آتا نہیں کچھ عقل میں ہوتے ہیں وہ مذکور
دوزخ میں وہی شے ہے جو چمکی تھی سر طور

ذرے میں جو ہے مہر درخشاں میں وہی ہے
جو کفر کے سینے میں ہے ایماں میں وہی ہے

اس بزم کے آداب ہیں سر چشمہ حکمت
آرام سے وحشت ہے تو لذات سے نفرت
پھر جائے جو ہستی سے نظر عین سعادت
دل پچھلے پہر رات سے دھڑکے تو عبادت

ہر دن جو گزرتا ہے یہاں ایک صدی ہے
اس دائرے میں "موت" حیات ابدی ہے

صحت میں نہیں جس کی یہاں نقص وہ بیمار
کاموں میں جو دنیا کے ہے مشغول وہ بیکار
آنے نہیں پاتے کبھی اس بزم میں زردار
زردار کے معنی ہیں کہ محتاج ہے نادار

دولت کی حقیقت کوئی سمجھی نہیں جاتی
منعم کی یہاں بات بھی پوچھی نہیں جاتی

اس راہ میں جو یاد کرے دوست کو، غافل
اس سے یہ نکلتا ہے ابھی دور ہے منزل
معشوق سے ہر وقت جنھیں قرب ہے حاصل
کس کو وہ کریں یاد؟ بتائے کوئی عاقل

دل آہ کبھی وصل میں بھرتا ہو تو کہہ دو
اپنے کو کوئی یاد جو کرتا ہو تو کہہ دو

جس کا یہ عقیدہ ہے کہ میں '' عبد، وہ معبود''
اس بزم کا قانون یہ کہتا ہے وہ '' مردود''
سب ایک حقیقت میں ہیں، ساجد ہو کہ مسجود
ہے کفر یہ کہنا یہ ''ایاز اور وہ محمود''
ہاں لفظ انا لحق میں انا باعثِ شر ہے
اس سے یہ ٹپکتا ہے خودی پیشِ نظر ہے

ہر دل کو یہاں کام ہے تسلیم ورضا سے
ہر لب کو یہاں عید ہے تسبیح خدا سے
کیا اس سے سروکار ہے بھوکے ہوں کہ پیاسے
پرہیز بڑا یہ ہے کہ نفرت ہو دوا سے
دعوت میں یہاں بھوک ہے خلعت میں کفن ہے
انعام یہاں سب سے بڑا دارورسن ہے

اک روز ہوا شوق مرے دل میں یہ پیدا
اس راہ سے گزرے ہیں جو نام آوروہ یکتا
حالات بھی کچھ انکے میں دیکھوں کہ وہ تھے کیا
اس شوق میں تاریخ کے اوراق کو الٹا
فہرست میں اک نام تھا جو سب سے جلی تھا
مژدہ ہو کہ وہ نام حسین ابن علی تھا

قربان ترے نام کے اے میرے بہادر
تو جان سیاست تھا تو ایمان تدبر
معلوم تھا باطل کے مٹانے کا تجھے گر
کرتا ہے تری ذات پہ اسلام تفاخر
سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ صداقت کا سبق تھا
تلوار کے نیچے بھی وہی نعرۂ حق تھا

شعلے کو سیاہی سے ملایا نہیں تونے
سر کفر کی چوکھٹ پہ جھکایا نہیں تونے
وہ کون سا غم تھا جو اٹھایا نہیں تونے
بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایا نہیں تونے
دامان وفا، گھر کے شریروں میں نہ چھوڑا
جو راستہ سیدھا تھا وہ تیروں میں نہ چھوڑا

ہر چند کہ ایوبؑ بھی اس فن میں تھے یکتا
یونسؑ نے بھی اک حد تک اسے خوب نبھایا
یعقوبؑ نے بھی زور تحمل کا دکھایا
پر سب سے رہا بڑھ کے محمدؐ کا نواسا
حیرت میں پیمبرؑ ہوئے وہ کر کے دکھایا
مرتے نہیں کس طرح اسے مر کے دکھایا

کرتا ہوں رقم معرکہ اب کرب وبلا کا
طوفان تھا، سیلاب تھا، ارباب جفا کا
سینوں میں تلاطم ہو وہ ساماں تھا وغا کا
بشاش مگر دل تھا امام دوسرا کا
ماتھے پہ شکن تھی نہ بدن غرق عرق تھا
رخ پر وہ صباحت تھی کہ سونے کا ورق تھا

فرماتے تھے سب قتل ہوئے مہر کے بانی
قاسم کہ تھا سم خوردہ برادر کی نشانی
اور حسن میں اکبرؑ تھا مرا یوسف ثانی
عباس تھا اسلام کی بھرپور جوانی
سینے میں خلش لب پہ مرے آہ نہیں ہے
ہر چند اب ان میں کوئی ہمراہ نہیں ہے

لشکر کی طرف دیکھ کے کہتے تھے یہ ہر بار
یہ طبل و علم ہیچ یہ انبوہ ہے بے کار
انجام پہ کر غور ذرا شمر بداطوار
کس شے نے کیا ہے تجھے اس جور پہ طیار
فاسق کے لئے جنگ امام دوسرا سے
بندہ کہیں منہ پھیر کے چلتا ہے خدا سے؟

اے شمر کوئی چیز ہے یہ فوج گنہگار
دنیا بھی اُمنڈ آئے تو پروا نہیں زنہار
مرعوب مجھے کر نہیں سکتے یہ سیہ کار
باطل سے بھی دبتے ہیں کہیں حق کے طرفدار
نازاں ہے کہ سردار ہوں میں فوج ستم کا
سررشتہ مرے ہاتھ میں ہے لوح و قلم کا

اس باپ کا بیٹا ہوں جو تھا اشجع عالم
جس فرق پہ تھا سایہ فگن فتح کا پرچم
جس ذات سے اسلام کی بنیاد تھی محکم
تھا اصل میں جو قوت پیغمبر اکرمؐ
طفلی میں بھی ساونت نے اژدر کو نہ چھوڑا
بے توڑے ہوئے قلعۂ خیبر کو نہ چھوڑا

جس روز مدینے کو سدھارے تھے پیمبرؐ
اس روز بڑا در کی جگہ پر تھا برادر
ہر چند کہ تیغوں کی چمک تھی سر بستر
سوتا تھا بڑے لطف سے تانے ہوئے چادر
دنیا میں کوئی ایسا جری ہو نہیں سکتا
جس طرح وہ سوئے تھے کوئی سو نہیں سکتا

یوں سامنے آ آ کے اکڑنا نہیں اچھا
ایمان سے اس طرح بگڑنا نہیں اچھا
نادان بری بات پہ اڑنا نہیں اچھا
دنیا کے لئے دین سے لڑنا نہیں اچھا
ناپاک نہ بن دولت ناپاک کے بدلے
اکسیر کو ٹھکراتا ہے کیوں خاک کے بدلے

ثروت جو زیادہ ہو تو ایماں نہیں رہتا
انسان یہ وہ شے ہے کہ انساں نہیں رہتا
آسودگیٔ روح کا ساماں نہیں رہتا
دل انجمن حسن کے شایاں نہیں رہتا
دولت کو بہت لوگ یہ کہتے ہیں خدا ہے
میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ زر ایک وبا ہے

ہوں خواہشیں محدود تو ایذا نہیں ہوتی
ارماں جو ہوں کم زر کی تمنا نہیں ہوتی
قانع کو کسی چیز کی پروا نہیں ہوتی
مؤمن پہ مسلط کبھی دنیا نہیں ہوتی
سلطاں بھی ہو جو صاحب حاجت تو گدا ہے
جس کو کوئی حاجت ہی نہیں ہے وہ خدا ہے

اے بندۂ زر چونک، مناسب نہیں غفلت
معلوم نہیں کیا تجھے دنیا کی حقیقت
کس نیند میں ہے؟ چھوڑ بھی باطل کی محبت
آ حق کی طرف، دیکھ یہ حوریں ہیں یہ جنت
حوریں ہوں کہ فردوس، یہ ادنیٰ سا صلا ہے
خود حق میں وہ لذت ہے جو ان سب سے سوا ہے

دنیا ہے دنی ہیچ ہے دنیا کا زر و مال
تزلیل کی بنیاد ہیں یہ حشمت و اجلال
ادبار کوئی چیز ہے دراصل نہ اقبال
وہ سر بھی کوئی سر ہے جو ہونے کو ہے پامال
بیدار ہیں دل جن کے وہ دنیا سے خفا ہیں
جو پھول کے طالب ہیں وہ کانٹوں سے جدا ہیں

تکلیف کے اسباب کو راحت نہیں کہتے
جو چند نفس، ہو اُسے لذت نہیں کہتے
طوفان مصائب کو مسرت نہیں کہتے
جس شے کو فنا ہو اسے نعمت نہیں کہتے
آرام کی خواہش نہ کرو قوت زر سے
لبریز کرو روح کو اللہ کے ڈر سے

غدار زمانے کی لگاوٹ سے خبردار
بیدار ہو، بیدار ہو، ہشیار ہو ،ہشیار
جھوٹی یہ امیدیں ہیں پریشان ہیں افکار
کس نشے میں بدمست ہے دنیا کے طلبگار
یہ شاخ ہے وہ جو کبھی پھولی نہ پھلی ہے
دنیا تجھے نادان کدھر لے کے چلی ہے

کھینچے لئے جاتا ہے کہاں تجکو زمانہ
سننے کے سزاوار نہیں ہے یہ فسانہ
دولت ہی کوئی اصل میں شے ہے نہ خزانہ
دھوکا ہے یہ دھوکا ہے، بہانہ ہے بہانہ
واللہ کہ تو حرص کے سانچے میں ڈھلا ہے
حق چھوڑ کے باطل کی پرستش کو چلا ہے

دنیا جسے کہتے ہیں کثافت کا ہے انبار
خنزیر کی ہڈی سے بھی کچھ بڑھ کے ہے مردار
ناپاک ہے بداصل ہے کم ظرف ہے بدکار
مُردار شکم اس کا، تو پشت اسکی ہے بیمار
مبروص کے داغوں سے غفونت میں سوا ہے
ذلت کا یہ لقمہ ہے سگوں کی یہ غذا ہے

تو فخر سے کہتا ہے جسے عیش و تنعم
وہ خواب کی جنت ہے وہ فردوس تو ہم
نالے ہی کی روداد ہیں نغمہ کہ ترنم
ہے مہر فغاں روشنیٔ ماہ تبسم
تو جس کو سمجھتا ہے کہ فردوس بریں ہے
دھندلی سی مسرت کا وہ سایہ بھی نہیں ہے

جا گورِ غریباں پہ نظر ڈال بہ عبرت
کھل جائے گی تجھ پر تری دنیا کی حقیقت
عبرت کے لئے ڈھونڈھ کسی شاہ کی تربت
اور پوچھ کدھر ہے وہ تری شان حکومت
کل تجھ میں بھرا تھا جو غرور آج کہاں ہے
اے کاسۂ سر بول ترا تاج کہاں ہے

یہ کہہ کے جو مولیٰ نے نظر کی سوئے کفار
تھا سر کو جھکائے ہوئے ہر ایک سیہ کار
ہر شخص کے چہرے پہ خجالت کے تھے آثار
یہ رنگ جو دیکھا تو کہا شمر نے بیدار
ہشیار! مراتب کے طلب گار جوانو!
ہو جاؤ بس اب جنگ پہ تیار جوانو!

تقریر میں کامل ہیں بہت حضرت شبیرؑ
ہو جاؤ گے گمراہ اگر ہو گئی تاثیر
کیا دیر ہے؟ میداں میں بڑھو تول کے شمشیر
یہ زر ہے یہ دولت ہے یہ منصب ہے یہ جاگیر
ہو جاؤ گے بشاش وہ انعام ملے گا
کہتا ہوں کئی پشت تک آرام ملے گا

کفار کو یہ شمر نے لالچ جو دلائی
دنیا نے بصد ناز جھلک اپنی دکھائی
جھنکار میں تیغوں کی بڑے ناز سے آئی
سینوں میں درآئی تو کلیجوں میں سمائی
سب بھول کے دنیا کی طرف ہو گئے ظالم
کروٹ ابھی بدلی تھی کہ پھر سو گئے ظالم

دنیا کے تماشے سے ہوئے اہل جفا کور
تلواریں کھینچیں میان سے قرنا کا اٹھا شور
گھوڑوں کو نچانے لگے میدان میں شہ زور
ڈھالیں جو اٹھیں رن میں گھٹا چھا گئی گھنگور
سایہ کیا پرکھول کے ہیبت نے فضا پر
چوٹیں وہ تواتر سے پڑیں طبل وغا پر

حضرت نے کہا "شکر ہے کامل ہوئی حجت
ہوجائیگی اب امت بیمار کو صحت
اے خالق کونین یہ بندے پہ عنایت
بخشی ہے مجھے خدمت تکمیل نبوت
ڈرتا ہوں خوشی کی کہیں تکمیل نہ ہوجائے
اشکوں میں لہو جسم کا تبدیل نہ ہوجائے

ہر چند بظاہر یہ مصیبت کے ہیں ساماں
جب دیکھتا ہوں غور سے کچھ راز ہے پنہاں
ظاہر میں جو کانٹے ہیں وہ در پردہ گلستاں
یہ گرد نہیں حضرت یوسفؑ کا ہے داماں
ہاتھوں پہ لئے تاج صداقت نکل آئی
جب چاک ہوا عیش کی صورت نکل آئی

بس اتنے میں ناگاہ برسنے جو لگے تیر
خیمے کی طرف دیکھ کے چپ ہو گئے شبیرؑ
گھوڑے کو بڑھا کر یہ پکارے شہ دلگیر
مجبور ہوں اب کھینچتا ہوں میان سے شمشیر
ہنگام وغا برق ہوں طوفاں ہوں غضب ہوں
ہشیار کہ میں روح شجاعانِ عرب ہوں

وہ سامنے آئے جسے مرنا ہو گوارا
بہتا نظر آئے گا یہاں خون کا دھارا
گھٹ جائے گا دم بھر میں ابھی زور تمہارا
رہتا ہے سدا حق کا بلندی پہ ستارا
جنگاہ میں باطل کے قدم گڑ نہیں سکتے
دیکھو کہے دیتا ہوں کہ تم لڑ نہیں سکتے

جو سخت ہے جرأت کبھی اس دل میں نہیں ہے
حق حق نہ رہے زور یہ باطل میں نہیں ہے
سطوت کی صفت فرقۂ غافل میں نہیں ہے
ہمت کا نشاں فطرت جاہل میں نہیں ہے
نامرد کبھی تاب جفا لا نہیں سکتا
کافر کبھی مومن پہ ظفر پا نہیں سکتا

جس قلب میں ہے کفر وہ دوزخ کا دھواں ہے
جس دل میں معارف ہیں وہ اک برق تپاں ہے
باطل کا جو حامی ہے وہ بے نام ونشاں ہے
جو حق کا طرفدار ہے اک شیر ژیاں ہے
سچائی کے قدموں پہ سر فتح و ظفر ہے
جرأت بھی اسی سمت ہے ایمان جدھر ہے

جو لوگ کہ ڈر جاتے ہیں بادل کی صدا سے
کانپ اٹھتے ہیں بچوں کی طرح ذکر وغا سے
جب ہوتی ہے مذہب کی کشش فضل خدا سے
لڑ جاتے ہیں دبتے نہیں ارباب جفا سے
ہرگز نہ ڈرو کفر سے ایماں کا سبق ہے
ان کی یہ شجاعت نہیں یہ قوت حق ہے

بزدل میں بھی جب قوت حق بھرتی ہے جرأت
اتنی بھی نہ حق کیا مجھے بخشے گا جلالت
دکھلا دوں میں تم کو کہ یہ ہوتی ہے شجاعت
حاصل ہے مجھے قوت حق زور امامت
یہ جنگ کا طوفان ہے کچھ سیر نہیں ہے
میدان سے ہٹ جاؤ کہ اب خیر نہیں ہے

مولا کا مزاج اتنا جو برہم نظر آیا
لشکر پہ عجب خوف کا عالم نظر آیا
سامان جفا درہم و برہم نظر آیا
کی جس سر خیرہ پہ نظر خم نظر آیا
خاموش صفیں یاس کے عالم میں کھڑی تھیں
مردہ تھیں نگاہیں کہ زمینوں میں گڑی تھیں

لکھا ہے ادھر تھا بن قطبہ کوئی سردار
مرحب سے بھی کچھ بڑھ کے شجاعت میں نمودار
بدمست کئی من کا سجے جسم پہ ہتھیار
نعرہ تھا کہ خالی نہیں جاتا ہے مرا وار
دو سو تھے زرہ پوش ستم گار کے پیچھے
جس طرح کہ بل کھاتی ہے دم مار کے پیچھے

آیا عجب انداز میں میداں میں ستم گر
ڈوبا ہوا فولاد کے ساماں میں سراسر
کف منھ میں لہو جوش میں غصے سے جبیں تر
ہتھیاروں کی آواز تو وہ زین کی چرمر
دل میں تھا غضب نشۂ پندار تھا سر میں
اک تیغ تو تھی ہاتھ میں اور ایک کمر میں

اس طرح جو آیا وہ قریب شہ ابرار
مولا نے کہا نارجہنم کے طلب گار
اب دیر مناسب نہیں ہاں وار بس اب وار
جوہر جو دکھانا ہوں تو بڑھ تول کے تلوار
ہم وہ ہیں کہ دشمن پہ بھی شدت نہیں کرتے
جو حق کے پرستار ہیں سبقت نہیں کرتے

یہ سن کے بڑھا تول کے نیزہ جو وہ گمراہ
رستم کی صدا آئی کہ العظمت للہ
نیزے کو ابھی اس نے گھمایا تھا کہ ناگاہ
ترچھی ہوئی اس شان سے شمشیر یداللہ
کم بخت کے نیز کے لئے ضرب فنا تھی
اس حسن سے کاٹا تھا کہ ہر پور جدا تھی

غصے میں کماں لے کے بڑھا تب وہ ستم گار
بے رحم نے چلے سے بڑھایا لب سوفار
شبیرؑ نے یہ دیکھ کے چمکایا جو رہوار
نیزے پہ اڑا لائے کماں سید ابرار
ظالم نے کماں دیکھی جو نیزے کی انی پر
اک تیر سا گویا کہ لگا قلب شقی پر

شرمایا تو نامرد بڑھا تول کے تلوار
تا دیر شہ دیں پہ تواتر سے کئے وار
بھینسے کی طرح ہانپ رہا تھا وہ بد اطوار
حضرت نے کہا اب مری باری ہے خبردار
اتنی تو خبر تھی کہ چلی فرق لعیں پر
دیکھا تو اتر آئی تھی مرکب سے زمیں پر

خوں پونچھ کے حضرت نے کیا نعرۂ تکبیر
تلوار سے ہنس کر یہ کہا واہ ری شمشیر
چلتی ہے تو کرتی نہیں دم بھر کی بھی تاخیر
کس حسن سے تو کھینچتی ہے موت کی تصویر
تو موت کا سیلاب ہے تو برق فنا ہے
پیغام اجل کا ترے دامن کی ہوا ہے

مارا گیا اس طرح جو لشکر کا نمودار
چہروں سے اڑے رنگ وہ گھبرا گئے کفار
حضرت نے ڈپٹ کر یہ کہا فوج بداطوار
بڑھتا نہیں تم میں سے کوئی کھینچ کے تلوار
سردار کے مرنے کا تمہیں درد نہیں ہے
کیا اتنے جوانوں میں کوئی مرد نہیں ہے

یہ فوج کا انبوہ یہ میں یکہ و تنہا
مارا ہوا صدموں کا کئی روز کا پیاسا
یہ کیا ہے کہ لاکھوں کو نہیں جنگ کا یارا
تف اے سپہ شام شجاعت وہ ہوئی کیا
تم لرزہ براندام ہو عزت گئی سب کی
تکلیف میں روحیں ہیں شجاعانِ عرب کی

یہ سن کے بھی جب کوئی نہ میدان میں آیا
خود ان کی طرف آپ نے گھوڑے کو بڑھایا
تلوار چمکنے لگی گرنے لگے اعدا
دو ہو گیا کوئی کوئی تڑپا کوئی بھاگا
آنکھوں میں چکا چوند تھی حیراں تھے ستمگر
آپس میں مگر دست و گریباں تھے ستمگر

جس سمت جھپٹتا تھا وہ شیر صف جنگاہ
گر گر کے فنا ہوتے تھے وہ گھوڑوں سے بدخواہ
کفار میں تھا شور کہ العظمت للہ
آتے بھی ہیں شیروں کے مقابل کہیں روباہ
ترتیب صفوں میں تھی نہ وہ شان پروں کی
برسات کا طوفان تھا بارش تھی سروں کی

کیا جوہر شمشیر تھا کیا زور شجاعت
نزدیک کوئی آئے نہ پڑتی تھی یہ ہمت
تابندہ خط و خال میں تھی برق امامت
حیدرؑ کی جو سطوت تھی تو حمزہؓ کی جلالت
شمشیر نہ تھی فوج پہ بجلی کی چمک تھی
یا ابر سیہ تاب میں کوندے کی لپک تھی

جس سر پہ چلی پیکر بے جاں نظر آیا
جس سمت گئی خون کا طوفاں نظر آیا
اُونچی جو ہوئی برق کا داماں نظر آیا
نیچی جو ہوئی قبر کا ساماں نظر آیا
تلوار تھی یا ساز کہ نغمہ تھا سَم اس کا
تھا مرکز اواز فنا زیر و بم اس کا

مصروف ابھی جنگ میں تھے حضرت شبیرؑ
آواز اک آئی کہ بس اب روک لے شمشیر
لازم ہے کچھ امت کی شفاعت کی بھی تدبیر
پی جام شہادت کہ بڑھے عزت و توقیر
طوفاں سے بچا حق کو لہو اپنا بہا دے
امت کو بہا در ہے تو اب مر کے جلا دے

جھنکار سے میدان وغا گونج رہا تھا
ناگاہ پئے صبر و رضا حکم جو پہنچا
یوں میان میں چلتی ہوئی تلوار کو رکھا
غل جن و ملائک میں اٹھا صل علیٰ کا
ایمان کی ڈوبی ہوئی نبضیں ابھر آئیں
خدمت کے لئے چرخ سے حوریں اتر آئیں

ذرّوں پہ جو سجدے میں جھکے حضرت شبیرؑ
چلنے لگے ہر سمت سے تیغ و تبر و تیر
بے کس پہ چمکنے لگی شمشیر پہ شمشیر
سر پیٹ کے کہنے لگی یہ زینب دلگیر
چھوٹوں گی نہ اس غم میں کبھی نوحہ گری سے
آندھی کا تصادم ہے چراغِ سحری سے

ہے ہے کوئی عباس دلاور کو پکارو
بابا پہ براوقت ہے اکبر کو پکارو
اکبر نہیں ملتے ہیں تو اصغر کو پکارو
بیٹے پہ چھری چلتی ہے حیدر کو پکارو
زہرا کی دہائی ہے پیمبر کی دہائی
پھٹتا ہے جگر خالق اکبر کی دہائی

حضرت نے جو زینب کی سنی گریہ وزاری
چپ ہوگئے وہ قلب پہ حالت ہوئی طاری
تلواریں لگانے لگے بڑھ بڑھ کے جو ناری
مولانے کہا شکر ہے اے ایزدِ باری
کٹتا ہے گلا بھائی کا ہمشیر کے آگے
تدبیر سر خاک ہے تقدیر کے آگے

تڑپے جو کئی بار زمیں پر شہ والا
سمجھے یہ ملائک کہ قیامت ہوئی برپا
خیمے کو بڑی یاس سے مظلوم نے دیکھا
اتنے میں کسی سمت سے اک تیر جو آیا
پامال صف لشکر غم ہو گئے مولا
دل میں وہ اٹھا درد کہ خم ہو گئے مولا

رک رک کے جو تلوار چلی خشک گلے پر
زہرا کی صدا آئی کہ آہستہ ستم گر
حیدر نے بڑے پیار سے زانوں پہ لیا سر
گردوں کی طرف دیکھ کے بولے یہ پیمبر
شکوہ نہیں نکلا مرے پیاسے کے لبوں سے
نکلی ہے مری روح نواسے کے لبوں سے

ناشاد تری بیکسی و یاس کے قرباں
نازک یہ ترا جسم یہ تپتا ہوا میداں
ٹکڑے یہ بدن کے یہ ردا خون میں غلطاں
ذروں پہ ہیں قرآن کے اوراق پریشاں
بے کس ترے اکبر کی جوانی کے تصدق
مظلوم تری تشنہ دہانی کے تصدق

تو اور سر خاک مرے گیسوؤں والے
یہ دل یہ بلائیں یہ زباں اور یہ چھالے
اس پیاس میں گردن پہ چھری جسم پہ بھالے
افسوس ہے اے فاطمہ کے ناز کے پالے
عبرت کا وہ منظر ہے کہ خود ظلم خجل ہے
یہ لاش نہیں خاک پہ اسلام کا دل ہے

یہ شام کا ہنگام یہ اندوہ یہ میداں
یہ ہو کا سماں اور یہ سنسان بیاباں
رانڈوں میں تلاطم ہے اداسی کے ہیں ساماں
سوتے ہیں پڑے شام سے خیمے کے نگہباں
غم اتنے ہیں اور ایک بھی غم خوار نہیں ہے
جز ذات خدا کوئی مددگار نہیں ہے

سیدانیوں کے بیچ میں ہیں عابد مضطر
منہ دیکھتی ہے سب کا سکینہؑ ہے وہ ششدر
ہاتھوں سے جگر تھام کے کہتے ہیں پیمبر
بیٹا یہ ستمگر کی انی اور ترا سر
آثار ابھی تک مری الفت کے عیاں ہیں
اس حلق پہ ابتک مرے بوسوں کے نشاں ہیں

مصروف پیمبرؐ تھے ابھی آہ و بکا میں
آہستہ سے جنبش سی ہوئی موج ہوا میں
آواز اک آئی "نہ تڑپ دشت بلا میں"
سر رکھا ہے شبیرؑ کا حوروں کی ردا میں
اس خون کو ہر خون سے ممتاز کیا ہے
ہم نے ترے بچے کو سرافراز کیا ہے

اے جوشؔ یہ ابتک ہے اسی خون کی تاثیر
ہوتی ہے بالاعلان بڑی شان سے تکبیر
اب بھی جنہیں ملتی ہے رہ عشق میں تعزیر
صد شکر کہ خوش ہو کے پہن لیتے ہیں زنجیر
ڈرتے ہی نہیں دیکھ کے جلاد کی صورت
زنداں میں چلے جاتے ہیں سجادؑ کی صورت

اک کھیل ہے ان کے لئے شاہوں کی جلالت
سینوں میں ہے ایمان زبانوں پہ صداقت
کوشش ہے کہ آزاد ہوں پابند مصیبت
سر جائے تو جائے نہ گرے تاج خلافت
تقدیر ہے جس قلب میں ایمان کی بو ہے
ہیہات کہ ناکردہ گناہوں کا لہو ہے

بے درد کی حسرت کو نکلتے نہیں دیکھا
کاغذ کی کبھی ناؤ کو چلتے نہیں دیکھا
ظالم کو کبھی پھولتے پھلتے نہیں دیکھا
ٹھوکر ہے یہ وہ جس سے سنبھلتے نہیں دیکھا
وہ تخت ہے کس قبر میں وہ تاج کہاں ہے
اے خاک بتا زور یزید آج کہاں ہے

احساس نہیں جس میں وہ تاریک ہے سینہ
دوزخ میں اتر تا ہے سدا ظلم کا زینہ
پستی کی علامات ہیں انصاف سے کینہ
جو حق سے لڑا ڈوب گیا اس کا سفینہ
ہاں پیرو باطل کو ابھر تے نہیں دیکھا
جب زلف یہ بگڑی تو سنورتے نہیں دیکھا

اے قوم وہی پھر ہے تباہی کا زمانہ
اسلام ہے پھر تیر حوادث کا نشانہ
کیوں چپ ہے اسی شان سے پھر چھیڑ ترانہ
تاریخ میں رہ جائے گا مردوں کا فسانہ
مٹتے ہوئے اسلام کا پھر نام جلی ہو
لازم ہے کہ ہر فرد حسینؑ ابن علیؑ ہو

طلوعِ فکر

جب چہرۂ افق سے اٹھی سرمئی نقاب
کانپے نجوم زرد ہوا روئے ماہتاب
کھنکے فلک کے جام، کھلے سرخیوں کے باب
اُڑنے لگے عبیر برسنے لگی شراب
رنگوں کی آب وتاب چرانے لگی فضا
آہستگی سے ہوش میں آنے لگی فضا

چونکی زمیں، تبسمِ پنہاں لئے ہوئے
افسانۂ شباب کا عنواں لئے ہوئے
روئے خنک پہ رنگ شبستاں لئے ہوئے
آنکھوں کے جھٹ پٹے میں چراغاں لئے ہوئے
تاروں کی چھاؤں جذب کئے بھیرویں اٹھی
گویا بڑی پلک سے کوئی نازنیں اٹھی

گردوں، سیاہ ابر کے پارے لئے ہوئے
پاروں کی جھلملی میں شرارے لئے ہوئے
کاجل میں انکھڑیوں کے اشارے لئے ہوئے
چلمن میں بادلے کے کنارے لئے ہوئے

طوفان بادلے میں عجب پیچ وتاب کے
اور موج پیچ و تاب میں تختے گلاب کے

بے چین ظلمتوں میں بہکتی ہوئی فضا
نوکارِضو کی سر سے ڈھلکتی ہوئی روا
کہرے کی وادیوں سے جھلکتی ہوئی ضیا
جس طور سے کہ بھاپ کی چادر میں آئینا

گویا نقاب، جلوۂ جاناں لئے ہوئے
یا شمع ہے کوئی تہ داماں لئے ہوئے

نوخاستہ فضاؤں میں اک طرفہ پیش وپس
بجتا ہوا ندی میں ملائم نواجرس
کھلتی ہوئی زمیں کی کمانی بہر نفس
شبنم کے آب و رنگ میں پچھلے پہر کا رس

گل چہرہ پتیوں پہ نگینے جڑے ہوئے
گوشِ چمن میں اوس کے بندے پڑے ہوئے

ہلتی سی ٹہنیوں میں، زرافشاں سے برگ وبار
اٹھتی سی چلمنوں سے، جھلکتا سا روئے یار
جنباں سی تیرگی میں، سلونے سے مرغزار
رقصاں سی روشنی میں، سہانا سا روزگار

دن ہے کہ رات ایک تزلزل سا، رائے میں
طفلی کا اضطراب جوانی کے سائے میں

گردوں ادھر طلائی تو اس سمت نقرئی
یہ پارہ سردئی ہے تو وہ پارہ سرمئی
اک گوشہ کتھئی ہے تو اک گوشہ پستئی
مغرب جواگرئی ہے تو مشرق ہے چمپئی

کانٹے پہ دل بری کے، فضائیں تلی ہوئی
تادور زلف و رخ کی دکانیں کھلی ہوئی

سوئے افق بڑھی جو ٹھٹکتی ہوئی ضیا
دوشیزۂ فضا کی مسکنے لگی قبا
آہستگی سے مہر تنک ضو ابھر چلا
بجنے لگا خیال میں سونے کا دائرا

برسا گلال ذہن پہ کندن خیال پر
نوبت بجی منارۂ ذوقِ جمال پر

کچھ مل گئے سے نور میں سرخی گندھی ہوئی
تھرا کے آسماں سے زمیں پر مچل گئی
پودوں نے سر اٹھائے، گلستاں نے سانس لی
سبزے پہ کن منائی ہے چشم روشنی
ہر پنکھڑی میں دفتر افسانہ کھل گیا
دوشِ فضا پہ ایک صنم خانہ کھل گیا

بڑھنے لگا شکوہ سے پھر کندئی طبق
رہ رہ کے کروٹیں سی بدلنے لگی شفق
کھلنے لگا فضائے خنک پر نشانِ حق
گردوں، کتاب زر کے الٹنے لگا ورق
موتی گرے زمین پہ شاخیں لچک گئیں
بوسے لئے صبا نے تو کلیاں چٹک گئیں

دل نے نوید آمدِ فصل بہار دی
موجِ صبا نے دعوتِ چنگ و ستار دی
انوار نے وہ کسوت نقش ونگار دی
سلطے کی آسماں نے دلائی اتار دی
بالائے چرخ، صبح کا تارا چمک اٹھا
جیسے کسی بلاق کا موتی جھلک اٹھا

خورشید کی جبیں جو ذرا سی چمک گئی
لیلائے تیرگی کی کلائی مڑک گئی
پھر ایک ضو جو درز شفق سے جھلک گئی
گویا شراب تند سے مینا درک گئی
بنت عنب نے ہنس کے جو گھونگٹ اٹھا دیا
مشرق نے اک شراب کا دریا بہا دیا

منہ گلستاں میں لیلائے شب کا اتر گیا
بھونرا فضائے باغ سے پرواز کر گیا
مہکی زمین، سطح سے بستاں ابھر گیا
بہر نظارۂ وقت گریزاں ٹھہر گیا
آیا جو لالہ زار میں جھونکا نسیم کا
اترا غنودہ کنج میں ڈولا شمیم کا

پھوٹی کرن، زمیں کی گھٹن دور ہوگئی
شبنم کی بوند بوند خم نور ہوگئی
دنیا تمام جلوہ گہ طور ہوگئی
ہر پنکھڑی جوان ہوئی حور ہوگئی
تابش نوید شرح پے صدر ہوگئی
گویا جہاں میں صبح شب قدر ہوگئی

ٹھنڈی ہوا دلوں کو جگاتی ہوئی چلی
پچھلے پہر کے گیت سناتی ہوئی چلی
ہر خوابگاہِ ناز میں گاتی ہوئی چلی
مکھڑوں پہ کاکلوں کو ہلاتی ہوئی چلی

دودِ چراغِ کشتہ کی زلفیں بکھر گئیں
غرفے ہلے بھوؤں کی کمانیں اُتر گئیں

چونکے نگار، ذہن میں جیسے کوئی قیاس
ناشستہ عارضوں میں لئے صبح کی مٹھاس
پنڈوں کی گرم بھاپ میں باسی گلوں کی باس
آنکھوں میں رنگ رنگ میں خوابوں کا انعکاس

خوابوں کا انعکاس کہانی لئے ہوئے
انگڑائیوں میں کیف جوانی لئے ہوئے

بجتی ہوئی ہواؤں میں پھبکے ہوئے بدن
آنکھوں میں فرشِ خواب کی غلطیدہ ہر شکن
ڈوروں کی سرخیوں میں یمِ بادہ موجزن
چہروں پہ اینڈ اینڈ کے سونے کا بانکپن

روندے ہوئے تمام دوشالے پڑے ہوئے
ٹوٹے ہوئے زمین پہ مالے پڑے ہوئے

ڈوبے لٹوں کے سائے جبینوں کے ماہ میں
جیسے یقین کشمکشِ اشتباہ میں
راتوں کے پینگ سایۂ زلفِ سیاہ میں
بوجھی نہ جائے، جو وہ پہیلی نگاہ میں

لب طعنہ زن مہارت بربط نواز پر
مکھڑے، وہ گیت بج نہیں سکتے جو ساز پر

اعضا کے پیچ و تاب میں خوابِ گراں کی رو
انفاس مشک بار میں سوزِ نہاں کی رو
رنگیں لبوں پر آتش آب مغاں کی رو
آنکھوں کی سطح سرخ پر اک داستاں کی رو

غلطیدہ فصل گل کی گھٹا چشم ناز میں
روداد شب تموج زلف دراز میں

انگڑائیاں جو آئیں تو آنکھیں چھلک گئیں
رگ رگ میں ولولوں کی کمانیں کڑک گئیں
رخسار پر شباب کے کلیاں چٹک گئیں
جو چوڑیاں خموش پڑی تھیں کھنک گئیں

موباف میں اسیر شب تار ہو گئی
جوڑا بندھا تو صبح نمودار ہو گئی

موج نسیم، تان اڑاتی ہوئی چلی
مرغان خوش نوا کو جگاتی ہوئی چلی
پتلی کمر کا لوچ دکھاتی ہوئی چلی
زرّیں چھڑا کڑے سے بجاتی ہوئی چلی
کروٹ فضا پہ لی چمن روزگار نے
گل ہنس پڑے نقاب الٹ دی بہار نے

گھر سے چلے تو گھر گئے کرنوں میں سیم تن
سونا ہوا شباب کی چاندی پہ ضوفگن
گرمی سے بڑھ گئی لب و رخسار کی پھبن
ہیرے کی تختیوں پہ مچلنے لگی کرن
چہروں کی آب و تاب جنوں خیز روپ میں
یا چاندنی کھلی ہوئی نو عمر دھوپ میں

الوان کا جلوس چلا کوہ سار سے
جھانکا کسی نے گوشۂ سرو و چنار سے
آنے لگی ہوائے فسوں لالہ زار سے
اٹھنے لگی دھوئیں کی گھٹا جوئے بار سے
لکے بڑھے تو نور کی فوجیں ٹھٹک گئیں
گویا ہوا پہ سیکڑوں پلکیں جھپک گئیں

ٹھٹکی مڑی روانہ ہوئی نور کی سپاہ
دیکھے کلس اٹھائی در و بام نے نگاہ
ماتھے پر آسمان کے کج ہوگئی کلاہ
رکھ لی فضا نے سرخ شلوکے میں قُرصِ ماہ
سبزے کی روح مست ہوئی جھومنے لگی
شبنم کے موتیوں کو کرن چومنے لگی

چلنے لگیں ہوائیں چہکنے لگے طیور
رنگیں بلندیوں پہ پھنکا ولولوں کا صور
ذرات کی جبیں سے اُبلنے لگا سرور
پَر پھڑپھڑائے جاگ اٹھا خاک کا غرور
جھونکوں نے حوصلوں کو چڑھایا جو سان پر
اُڑنے لگا زمیں کا طبق آسمان پر

صحرا و دشت و وادی و گل زار و گل چکاں
گنگ و ترنگ و رنگ، گہر بار و مے فشاں
درّاج و کبک و قمری و طاؤس، نغمہ خواں
ملاح و موج و قلزم و کشتی رواں دواں
ساحل کے موڑ، سرخ کمانیں لئے ہوئے
موجیں تمام، منھ میں زبانیں لئے ہوئے

اوجِ فضا پہ رایتِ زرتار گاڑ کر
نکلی ضیا افق کا گریبان پھاڑ کر
ذرّے بسائے خاک نے تارے اجاڑ کر
انگڑائی لی حیات نے افشاں کو جھاڑ کر

مستی چھٹی لبوں کی چمک دور تک گئی
کنگن گھمادیا تو کلائی دمک گئی

ابٹن ہوا کی موج پہ گل زار نے ملا
کنگنا کلائی میں جو بندھا، کھل گئی فضا
کنجوں کو دھوپ چھاؤں کا جوڑا عطا ہوا
بدھی پڑی گلے میں تو گل زار جھوم اٹھا

اترا گلاب وقند، جماد ونبات پر
سہرا بندھا جبین عروسِ حیات پر

جلوؤں کا سیل، سوئے گل ویاسمن مڑا
ضو کا جلوس جانب گنگ وجمن مڑا
ذرّوں کی سمت، ناقۂ لعل یمن مڑا
دریائے سوءِ ظن، طرف حسن ظن مڑا

لے نے کیا سنگار ترانوں کی چھاؤں میں
گھنگھرو بندھے نگار خموشی کے پاؤں میں

سرخی بڑھی فضاؤں پہ تابندگی کے ساتھ
تابندگی، جمال کی رخشندگی کے ساتھ
رخشندگی،شمیم کی بافندگی کے ساتھ
بافندگی، رباب و دف و زندگی کے ساتھ

اور زندگی تصور مطلق لئے ہوئے
انفاس میں خروشِ اناالحق لئے ہوئے

دھو میں لئے زمیں کی طرف سرخوشی چلی
احساس کی ترنگ، سوئے بے حسی چلی
غفلت کی سمت ازسرنو آگہی چلی
سونے کا تھال سر پہ لئے زندگی چلی

سارنگیاں چھڑیں چمنِ روزگار میں
"حق سرّہٗ" کی گونج اٹھی لالہ زار میں

نازل ہوئے دلوں پہ بلوریں تصورات
پائی خیام ذہن نے زربفت کی قنات
کولے پہ ہات رکھ کے تھرکنے لگی حیات
چونک لئے ہوئے حرکت کی چلی برات

خورشید کے ورود سے گل زار جاگ اٹھا
یوسف جو آئے مصر کا بازار جاگ اٹھا

یونہیں فرازِ روح پر ابھرا اک آفتاب
دیں کا نشاں خرد کا علم آگہی کا باب
حق ساز وحق نواز و حق آواز وحق مآب
مقصود عرش مورث افلاک بو تراب
عرفان زندگی کا علم کھولتا ہوا
بند قبائے لوح و قلم کھولتا ہوا
پیدا ہوا سرورِ ازل سلسبیل میں
اتری شعاع سینۂ فکر جمیل میں
روشن ہوئے چراغ دیارِ خلیل میں
جنبش ہوئی دوبارہ پر جبرئیل میں
چھننے لگی شعاع تفکر کے باب سے
پھوٹی کرن، جبین رسالت مآب سے
نکھرا ادب، خیال کو حاصل ہوئی زباں
دمکی جبین حرف پہ معنی کی کہکشاں
چھلکیں شراب نغمۂ حق کی گلابیاں
داؤدیت نے پیش کیا تاج زرفشاں
یوسف بڑھے جمالِ فراواں لئے ہوئے
پریاں درآئیں تختِ سلیماں لئے ہوئے

لفظوں کی موج رنگ میں غلطاں ہوئے گہر
لہجے کی آب جو میں چلی کشتیِ قمر
نوکِ قلم سے علم کی طالع ہوئی سحر
اور پھر سحر کی چھوٹ پڑی ذوالفقار پر
بالائے ذوالفقار علم جگمگا اٹھا
اور ضوفشاں علم پہ قلم جگمگا اٹھا
گھومی کلید فضل، کھلا قفل فیض عام
ناگاہ آسمان پہ گونجا زمیں کا نام
گردش میں آئے نعرۂ صل علیٰ کے جام
پڑھتے ہوئے درود، بڑھے انبیاء تمام
کعبے کے گرد ایک کرن گھومنے لگی
روحِ محمدِ عربی جھومنے لگی
شب ہائے این وآں میں ہوئی صبح منجلی
بادِ مراد ناز سے مچلی گلی گلی
عرفانِ کائنات کی چٹکی کلی کلی
اور روحِ ارتقا نے پکارا کہ ”اے علی“
لے یہ کلید علم یہ گیتی کا باب ہے
اس خاک کو ابھار کہ تو بوتراب ہے

اُٹھ اور جلا چراغ، سر سبز آب و گل
"لا خوشکیوں کو کھینچ کے چشموں کے متصل"
"چونکا انہیں، جو خاک کے ارماں ہیں مضمحل
"سینے میں اس زمیں کے دھڑکتا نہیں ہے دل

ڈوبی ہوئی ہے نبض جہانِ علیل کی
پیدا کر اس جمود میں رو سلسبیل کی

اے خاتمِ پیمبرِ آفاق کے نگیں
اے کارساز نور، کلاہ سریقیں
اس بات کو زمیں پہ کوئی جانتا نہیں
یعنی خدا ای چیز بھی موجود ہے کہیں

کوئی زمیں پہ لو ہے نہ ضو آسمان پر
بنیادِ اعتقاد رکھ اپنی زبان پر

انکارِ کبریا کے براہین ہیں طویل
اور دین کے خلاف ہے دنیا کا ہر وکیل
نقاش و نقش و صانع و مصنوع کی دلیل
اس دور میں ثبوت خدا کی نہیں کفیل

ہاں باب امن کھول در فتنہ بند کر
باتوں پہ ناطقے کے خدا کو بلند کر

ہاں، شمع ذات، خیمۂ الفاظ میں جلا
لیلائے حق کو محمل تقریر میں بٹھا
گوش بشر کو چشم حقیقت نگر بنا
کانوں سے لوگ دیکھ سکیں جلوۂ خدا

تیرے بیاں پہ غل غلہ اٹھے درود کا
یوں پیش کر ثبوت خدا کے وجود کا

وحدت کے باب میں نہ اگر کد کریگا تو
پائے گا کبریا کا تصور نہ آب رو
فکرِ بشر نماز پڑھے گی بلا وضو
تایوم دیں صمد میں رہے گی صنم کی بو

لپٹا ہوا تفنن و ہم و قیاس میں
دائم خدا رہے گا بشر کے لباس میں

چمکے گا تیری فکر سے ہر گوشۂ جمال
لائے گا تو خیال کے موسم میں اعتدال
انساں کے ذہن میں ہیں جو اشکالِ ذوالجلال
اک تو ہی لاسکے گا ان اشکال پر زوال

یہ تو کہے گا جلوہ بجز و اہما نہیں
جو دیکھنے میں آئے وہ بت ہے خدا نہیں

دنیا کو تو، بتائے گا یہ نکتۂ جمیل
یعنی ازل سے ایک توانائی جلیل
جس کی کوئی نظیر نہ جس کا کوئی عدیل
اس کارگاہ وقت گریزاں کی ہے کفیل

اظلال و انجذاب نہ وہ انعکاس ہے
دنیا سے دور ہے نہ وہ دنیا کے پاس ہے

انسان کے مزاج کی اس میں نہیں ہے بو
وہ کچھ نہیں ہے، کچھ بھی نہیں ہے سوائے ہو
وہ شاہِ نرم طبع، نہ سلطان تند خو
وہ دل نواز دوست نہ ہمت شکن عدو

وہ پائے بندِ رسم و فا و جفا نہیں
جذبات جس پہ ٹوٹ پڑیں وہ خدا نہیں

ہاں، دن کو، تو کریگا سیہ رات سے جدا
وزنی حقیقتوں کو روایات سے جدا
اللہ کو تمام قیاسات سے جدا
اسماء و وصف و سمت واشارات سے جدا

داغوں سے تو احد کے ورق کو بچائے گا
شخصی تعینات سے حق کو بچائے گا

پرکھے گا تیرا علم ہی اس کائنات کو
جانچے گی تیری عقل ہی خون حیات کو
وہ تو ہے جو کھرچ کے نقوش صفات کو
دیکھے گا اک حکیم کے مانند ذات کو

بے حد کو جس خانۂ حد سے چھڑائے گا
تو کبریا کو دامِ عدد سے چھڑائے گا

آب مکاں امام زماں آیۂ مبیں
کنزِ علوم کاشف سرِ کعبۂ یقیں
قاضیٔ دہر قبلۂ دوراں قوام دیں
منشائے عصر معنیٔ کن، میر عالمیں

تابندگیٔ طرۂ طرف کلاہ علم
مولائے جاں رسول تمدن، الٰہ علم

آواز جاں نواز ترنم، جہاں فروز
تیور تمام ساز تکلم تمام سوز
دانش مہہ دو ہفتہ، نظر مہر نیم روز
تقریر فہم باف، خموشی خیال دوز

تجھ سے جو آشنا ہے وہ جو ہر شناس ہے
تیری زبان، ذہن بشر کا لباس ہے

تیرا سخن وہ سیل جوابات بے مثال
شاداب جس کی موج سے ہر تشنہ لب سوال
تیرا ہر ایک لفظ دو صد مکتب خیال
تیری زباں میں روشنیٔ وجہ ذوالجلال

ہوتا نہ تو تو سان نہ چڑھتی یقین پر
قرآن کی زبان نہ کھلتی زمین پر

تو دیکھتا ہے کاہ میں طوفان کہکشاں
ذرات بے سواد میں شہروں کے کارواں
تخم تنک وجود میں صحرائے بے کراں
نقطے کی جیب تنگ میں فرہنگ این و آں

کانٹے میں سیل جلوۂ گل دیکھتا ہے تو
ہر جزو میں تجلیٔ کل دیکھتا ہے تو

اے صدق کے محیط، حقائق کے آبشار
اے حق کے بادشاہ معارف کے تاجدار
اے علم کے خدیو، تفکر کے شہر یار
نوع بشر کو فکر و عمل کی طرف پکار

ہاں، صبح زندگی کی شفق ہے ترا وجود
ایفائے عہد رحمت حق ہے ترا وجود

تجھ کو ہے کس قدر آبدیت سے اتصال
تیرا ہر اک دقیقہ دوصد قرن بے مثال
تیری ہر ایک موج نفس میں بصد جمال
رفتار نور کے ہیں پرافشاں ہزار سال

تیرا مقام دائرہ عز و جل میں ہے
عمر مسیح و خضر ترے ایک پل میں ہے

جلوت میں بادشاہ ہے خلوت میں تو فقیر
جنگاہ میں جوان، حریم خرد میں پیر
دشت وغا میں طبل ادب گاہ میں صریر
میدان میں حدید مقالات میں حریر

سو معجزوں کا عطر ہے تیری حیات میں
اضداد کس قدر ہیں تری ایک ذات میں

شہر ادب مفسر آیات دل نشیں
نقادفن، مصور اشکال ماہ وطیں
میر دماغ محور دل، مصدر یقیں
دستور حق، مبصر دنیا، فقیر دیں

نباض شرع و زورق جیحون زندگی
خاقان دہر و واضع قانون زندگی

دنیا کی قاہری کا تسلط ہے دین پر
سجین کا قدم ہے سر علیین پر
کانپ اے ابد کے نور شہود و سنین پر
اے آسمان رشد اُتر آ زمین پر
یوں گوش دل میں جذب یہ گفتار ہو گئی
پیدا علی کے ساز میں جھنکار ہو گئی

ناگاہ جھن جھنائے فضا کے تمام تار
بڑھنے لگی شعاع سمٹنے لگا غبار
بہر سلام ادب سے جھکا فرق روزگار
آواز دی نقیب فلک نے کہ ہوشیار
تھامے رکاب دولت دنیا و دیں چلی
سوئے زمیں سواری عرش بریں چلی

چلمن حریم عالم ارواح کی اڑی
نکلی حجاب قدس سے اک زندہ روشنی
ضوبار روح پنجتن پاک ہو گئی
شمع حواس خمسۂ آفاق جل اٹھی
تاریکیوں سے روئے زمیں پاک ہو گیا
روشن تمام مطلع ادراک ہو گیا

کعبے سے آفتاب امامت عیاں ہوا
حلال مشکلاتِ رسالت عیاں ہوا
مہر نظامِ شمسیٔ قدرت عیاں ہوا
دارائے کاروبار مشیت عیاں ہوا
خلاقیت کا ذوق سر افراز ہوگیا
اک دور علم و فکر کا آغاز ہو گیا

تجھ سے فروغ کشور دنیا و دیں میں ہے
خم خانۂ وجود ترے ساتگیں میں ہے
دریائے جود و فضل تری آستیں میں ہے
قرآں ترے خطوطِ جبینِ مبیں میں ہے
مرکز ہے تو زمین پہ حسن قبول کا
تو ہات ہے خدا کا قلم ہے رسول کا

تیرا جمال ہے کہ سر و برگ لالہ زار
تیرا جلال ہے کہ تجلائے ذوالفقار
تیرا دماغ ہے کہ نوید کشود کار
تیری نگاہ ہے کہ شعاع ابدسوار
تیری یہ ضو ہے گنبد لیل و نہار میں
یا حرف کن ہے خاطر پروردگار میں

تیرا وجود پاک نظر گاہ مہر و ماہ
آنکھیں چراغِ کعبہ زباں سازِ لاالہٰ
نقش قدم جبین سماوات کی کلاہ
ام الکتاب چہرہ تو حبلِ متیں نگاہ

شکل بشر میں آیۂ صدق وصفا ہے تو
اک ذی نفس دلیل وجودِ خدا ہے تو

اے رہ برِ خجستہ و اے ہادیٔ نکو
عرفاں کا تو شکوہ رسالت کی آبرو
توہی ہے اے مدبر دار القضائے ہو
تاریخ روزگار کی دیرینہ آرزو

اٹھ زندگی کو فکر ہے اپنے علاج کی
حاجت ہے ایک بندۂ یزداں مزاج کی

محراب تیرگی جو ہوئی روشنی سے شق
سلمائے زندگی نے اٹھایا رباب حق
خود سے کتاب علم کے کھلنے لگے ورق
نکلا حریم حرف سے ہر معنیٔ ادق

دور خزاں چمن سے بفرمانِ گل گیا
اک مکتب جدید کا دروازہ کھل گیا

جھومی دیارِ نطق میں ابلاغ کی بہار
لفظوں کے زیر و بم میں چھڑے روح کے ستار
فقروں کی تندرو میں پرافشاں ہوئے شرار
گرنے لگے زمیں پہ ستاروں کے آب شار

لہجے میں ایک نہر سی مواج ہو گئی
لب مل گئے زبان کی معراج ہو گئی

سینوں میں آگہی کا شرر جگمگا اٹھا
گیتی پہ ماہ علم و ہنر جگمگا اٹھا
گردوں پہ مہر نقد و نظر جگمگا اٹھا
رخسارۂ قضا و قدر جگمگا اٹھا

دوشِ طرب پہ زلف مشیت بکھر گئی
بکھری کمر تک آئی کمر سے گزر گئی

ناقدریٔ کمال کا باطل ہوا اثر
چونکے دماغ فکر بنی جنس معتبر
بے چارگی کی خشت سے اٹھا سر ہنر
بے مائیگی کی خاک سے ابھری کلاہ زر

ذرات نو دمیدہ کو چوما نجوم نے
انگڑائی لی فضاؤں پہ قوسِ علوم نے

یکجا ہوئے تمام براہین منتشر
خلعت ملا دلیل کو منطق کو چتر زر
اک نقطۂ عظیم پہ قائم ہوئی نظر
معنی ہوئے طویل مقالات مختصر
فیض نظر سے کھوئی ہوئی شان مل گئی
فکر دقیقہ سنج کو میزان مل گئی

گل ہو گیا زمین پہ اوہام کا چراغ
تشکیل سے یقین کو حاصل ہوا فراغ
جھوما نسیم عقل سے نوع بشر کا باغ
اترا دماغ دل میں تو دل بن گیا دماغ
جیسے ہی نصف نور ملا نصف نور سے
اپنے کو کردگار نے دیکھا غرور سے

منبر پر آفتاب تکلم عیاں ہوا
موج مئے غدیر لئے خم عیاں ہوا
دریائے مرحمت میں تلاطم عیاں ہوا
انصاف کے لبوں پہ تبسم عیاں ہوا
ڈالی نگاہ فخر سے دنیا نے دین پر
قرآن آسمان سے اترا زمین پر

اسرار کائنات الٹنے لگے نقاب
تعبیر کے حدود میں آئے زمیں کے خواب
معنی سے روشناس ہوا حرف خاک و آب
ایوان روزگار میں یوں آئے بوتراب
جیسے ورودِ شب نم تابندہ پھول پر
گویا نزول وحی بطون رسول پر

احساس اندفاع کو طبل و علم ملا
قرطاس بے سواد کو زریں قلم ملا
زلف تصورات الوہی کو خم ملا
اللہ کو ثبوت نبی کو حشم ملا
فیض سخن سے دین کی تکمیل ہوگئی
اجمال ذوالجلال کی تفصیل ہوگئی

لیلائے زندگی کے بجا ہو گئے حواس
پہنا تصورات نے افکار کا لباس
ایوان علم و حلم کی محکم ہوئی اساس
پیدا ہوئی زمین پر اک قوم حق شناس
جس سے بنائے قصر خدا داد پڑگئی
اک مطمعِ نگاہ کی بنیاد پڑگئی

اک مختصر گروہ کے بڑھنے لگے قدم
برہم ہوا مزاج سلاطین ذی حشم
پھر بھی درون لشکر اشرار تازہ دم
اعلان امر حق کے اٹھائے گئے علم

ظلمت کے رہ رووں کو دکھائے گئے چراغ
صحرا کی آندھیوں میں جلائے گئے چراغ

جس سے اگیں نقوش وہ تصویر بن گئی
تصویر اک شعاع جہاں گیر بن گئی
کانپی شعاع مشرق تفسیر بن گئی
تفسیر اک روات کی زنجیر بن گئی

زنجیر طاق روح کی قندیل ہو گئی
قندیل قوس عرش میں تبدیل ہو گئی

تاباں ہوئے علوم درخشاں ہوئے عقول
روشن ہوا زمین تدبر کا عرض و طول
معقولیت کے سر کو ملا افسر قبول
شائستہ زندگی کے مرتب ہوئے اصول

جو برق طور فکر ہے وہ نور مل گیا
دنیائے بے نظام کو دستور مل گیا

محراب حق میں روح خطابت ہوئی عیاں
جھومیں سروں پہ رُشد و ہدایت کی بدلیاں
اٹھی نگاہ خم ہوئے ابرو کھلی زباں
دوڑے ہوا پہ تیر لچکنے لگی کماں

نکلی جو منہ سے بات دلوں میں اتر گئی
ذہن گریزپا کی سواری ٹھہر گئی

پیدا ہوئے حدیقۂ ملت میں برگ و بار
زائل ہوا معاشرۂ حق کا انتشار
سیدھی ہوئیں صفیں تو مرتب ہوئی قطار
مضراب اتحاد سے کانپنے دلوں کے تار

ماتھے پہ نقش ابروئے پیوستہ بن گیا
یک جا ہوئے نفوس تو گل دستہ بن گیا

پایا حصار فرش نے عرش بریں کا باب
بیداریوں کی رو سے اٹھے پردہائے خواب
انفاس زندگی کا مرتب ہوا حساب
اک لائحۂ عمل کی مدون ہوئی کتاب

سلمائے زندگی کی تمنا نکل گئی
خاک سیاہ نور کے سانچے میں ڈھل گئی

اٹھی نگاہ فضل پئے بارش کمال
دوڑا رخ کلام پہ تخئیل کا جمال
پایا سخن کے جام نے افسردہ ہلال
برسا ادب کے باغ پہ خورشید کا زلال
بازار آب و رنگ میں فن کار آگئے
شمعیں اٹھائے ثابت و سیار آگئے

فیض نظر نے خاک کو بستاں بنا دیا
ہر ریشۂ گیاہ کو مژگاں بنا دیا
ہر خاروخس کو سنبل و ریحاں بنا دیا
ہر شاخ بے ثمر کو رگ جاں بنا دیا
بے آبرو زمین کو گل زار کر دیا
تاروں کا رس نچوڑ کے ذروں میں بھر دیا

نکھرے ضمیر ذہن کو حاصل ہوا سرور
ایوان جاں کے طاق میں چمکا چراغ طور
الفاظ آسماں کے منور ہوئے قصور
قرآن کے حروف میں داخل ہوا شعور
ذوق سخن کو قوت اعجاز مل گئی
تخئیل کردگار کو آواز مل گئی

بہر سلام لیلیٰ ارض و سما اٹھی
دیکھا رخ قبول تڑپ کر دعا اٹھی
چٹکیں فضائیں نیند سے ٹھنڈی ہوا اٹھی
قبلے سے جھومتی ہوئی کالی گھٹا اٹھی
کیا رت بفیض قبلۂ حاجات آگئی
ساقی خدا کا شکر کہ برسات آگئی

برسات بنت راوی و جمنا و نیل و گنگ
بین وسرودو بربط و عودو رباب و چنگ
طنبورہ و ربابہ و طاؤس و جل ترنگ
شعر وشراب و شاہد و شہ نازورقص ورنگ
برسات کی ہوائے معطر کا واسطہ
مے خانہ کھول ساقیِ کوثر کا واسطہ

ساقی ڈٹی ہوئی ہے خراباتیوں کی صف
پھیلا ہوا ہے ابر گہر بار ہر طرف
بوتل کا کاگ کھول اٹھا کیف باروف
لا بادۂ مدینہ و پیمانۂ نجف
تطہیر کی ردا ہے فلک پر تنی ہوئی
دے دامن رسول خدا کی چھنی ہوئی

ساقی شگفتہ باد وہ مے خانہ کھل گیا
وہ بدلیاں ہواؤں پہ گرجیں وہ دف بجا
چمکیں وہ بجلیاں وہ پر افشاں ہوئی فضا
وہ لو اٹھی وہ زمزمہ گونجا وہ کاگ اڑا
فتاح باب منزل و مقصد ہوئی پری
قصر بلور سے وہ بر آمد ہوئی پری

ساقی برس رہی ہے گھٹا بولتی ہوئی
فرش زمیں پہ لعل و گہر رولتی ہوئی
سینوں میں کشتیوں کی طرح ڈولتی ہوئی
بوچھار سے دلوں کی گرہ کھولتی ہوئی
درکھول قصر بادۂ انساں نواز کا
یہ وقت ہے شگفتن گل ہائے ناز کا

گرجا فلک پہ ابر بھرے مغ بچوں نے جام
چہروں پہ رنگ مل کے جھلکنے لگے خیام
صل علیٰ کی موج سے گونجے ستون و بام
قدسی تمام دوڑ پڑے بہرانتظام
محراب حق کا نور نے پردہ اٹھا دیا
سجا وہ آسماں نے زمیں پر بچھا دیا

کیا مے کدے کا رتبۂ عالی ہے مرحبا
مسند پر انبیا تو پس خم ملائکا
شیشوں پہ ہے بخط جو اہر لکھا ہوا
بطحا و کاظمین و خراسان و سامرا
محراب پر ہے درج یہ منزل شرف کی ہے
یہ کربلا کی مے ہے وہ صہبا نجف کی ہے

غلماں ادب کے ساتھ لئے جام زر نگار
رطل گراں کے طوف میں حوران گل عذار
خدام کے لباس میں شاہان ذی وقار
رندوں کے سر پہ دامن مولائے روزگار
خم آسمان ساغر آبی لئے ہوئے
شانے پہ کائنات گلابی لئے ہوئے

گونجی ہوئی فضاؤں پہ مستانہ ہاؤ ہو
قل قل کی رو میں شعلۂ آواز ''والشربو''
ذروں سے بات چیت ستاروں سے گفتگو
آواز میں دلا کے چھلکتے ہوئے سبو
خاصان حق شراب مودت پئے ہوئے
سینے تمام اجر رسالت لئے ہوئے

ہر ایک چنگ نغمۂ افسوں لئے ہوئے
ہر اک امنگ دولت قاروں لئے ہوئے
ہر اک ترنگ شوخی جیحوں لئے ہوئے
ہر ایک رنگ قامت موزوں لئے ہوئے

ہر بار ایک تان نئی ٹوٹتی ہوئی
ہر زمزمے سے ایک کرن پھوٹتی ہوئی

شیشوں میں روح کاہکشاں ناچتی ہوئی
سینوں میں برق رطل گراں ناچتی ہوئی
مسند پہ صبح باغ جناں ناچتی ہوئی
ساز بقا پہ عمر رواں ناچتی ہوئی

چہروں پہ شام و جام کی سرخی رچی ہوئی
رگ رگ میں ساز وناز کی دھومیں مچی ہوئی

آنکھوں میں غرفہ ہائے گلستاں کھلے ہوئے
درہائے قصر دولت ایماں کھلے ہوئے
بند قبائے یوسف کنعاں کھلے ہوئے
خم کے قریب رحل پہ قرآں کھلے ہوئے

زندان سرفراز پر افشاں ہواؤں پر
ہاتوں پہ عرش فرق سماوات پاؤں پر

غلطیدہ آسماں پہ خمستاں کی روشنی
اور خم کدے پہ عزت و قرآں کی روشنی
قرآن پر رسول کے داماں کی روشنی
اور چہرۂ رسول پہ یزداں کی روشنی

یزداں کی روشنی کا تموج قلوب میں
اک سیل رنگ و نور شمال و جنوب میں

افسوں بدوش بار گہ آب آتشیں
اک نقطۂ طلسم پہ ٹھہری ہوئی زمیں
اور قلب پر محیط باندازِ دل نشیں
ایسی اک آن وقت کا جس میں گزر نہیں

کثرت نوائے نغمۂ وحدت لئے ہوئے
ہر لمحہ جیب میں ابدیت لئے ہوئے

اللہ ری موجِ نشۂ عالی کی سروری
ساقی کچھ اور گھوم گیا چرخِ چنبری
گونجی بلندیوں پہ وہ آواز قنبری
ہاں اور سوئے خم وہ مژا عکس بو ذری

ہاں ہاں اسی روش سے چلے دور ساقیا
وہ موجِ سلسبیل اٹھی اور ساقیا

طوفان میں وہ کشتی ایماں رواں ہوئی
قلزم میں روح بحر شکن پر فشاں ہوئی
امواج سے وہ چادر زینب عیاں ہوئی
وہ بادباں ہلے وہ بھنور میں اذاں ہوئی

برپا دیار سیل میں کہرام ہو گیا
طوفاں وہ دیکھ لرزہ براندام ہو گیا

موج ہوا ترانۂ تہلیل ہوگئی
کونین زیر شہ پر جبرئیل ہوگئی
احکام ذوالجلال کی تعمیل ہوگئی
منشائے کردگار کی تکمیل ہوگئی

انساں کی عظمتوں کے دفینے ابھر گئے
وہ دیکھ زندگی کے سفینے ابھر گئے

ایوان سلطنت کے وہ درغرق ہوگئے
جن میں ہوا بھری تھی وہ سرغرق ہو گئے
وہ قصر ہائے لعل و گہر غرق ہو گئے
اٹھی لہو کی موج بھنور غرق ہو گئے

چمکے علم وہ گنبد بدروحنین پر
دمکا وہ تاج فتح جبین حسین پر

پھر موج اک اٹھی وہ بطِ مے میں ساقیا
جاگا خروش فتح ہر اک نے میں ساقیا
لپٹی ضیائے کون و مکاں لے میں ساقیا
وہ پو پھٹی فضائے رگ و پے میں ساقیا

گونجی صدائے نغمۂ دل کائنات میں
شہنائیاں بجیں وہ حریم حیات میں

لے وہ نجف کی سمت سے آنے لگی صدا
اے جوشؔ نکتہ سنج مری انجمن میں آ
آ اور جھوم جھوم کے نغمات نو سنا
ساقی مرا سلام ادب لے کے میں چلا

مولائے کائنات اور آواز دے مجھے
اے جبرئیل قوت پرواز دے مجھے

....

یہ رات جو گنگنا رہی ہے ساقی
پیغامِ عروج لا رہی ہے ساقی
کوثر پہ ہے انتظار شاید میرا
آوازِ حسین آ رہی ہے ساقی

وحدتِ انسانی

اے دوست دل میں گردِ کدورت نہ چاہیے
اچھے تو کیا بروں سے بھی نفرت نہ چاہیے
کہتا ہے کون، پھول سے رغبت نہ چاہیے
کانٹے سے بھی مگر تجھے وحشت نہ چاہیے
کانٹے کی رگ میں بھی ہے لہو مُرغ زار کا
پالا ہوا ہے وہ بھی نسیمِ بہار کا

جو موج دشت میں ہے وہی لالہ زار میں
جو رو سراب میں ہے وہی جوئے بار میں
جو شے ہے برگِ گل میں وہی نوک خار میں
تفریق ناروا ہے خزاں اور بہار میں
وضع و روش میں فرق سہی جان ایک ہے
تیور جدا جدا ہیں مگر آن ایک ہے

ہاں ناز میں لچک ہے وہی جو ہے نور میں
ذرات میں دمک ہے وہی جو ہے طور میں
غیبت میں بھی جھلک ہے وہی جو ظہور میں
پتھر میں بھی کھنک ہے وہی جو بلور میں
یہ فرق اسم و شکل فریب نگاہ ہے
اے دوستو دوئی کا تصور گناہ ہے

سنبل کی نسل سے ہیں خس و خار و شاخ سار
سوسن کے خاندان سے ہیں خشک برگ و بار
ہر زرد پنکھڑی ہے اک اجڑی ہوئی بہار
عبرت سے دیکھ، باغ کے ذرّات سوگوار
کل دے کر ان کو لوچ، نسیم و سحاب کا
خاک چمن نے روپ بھرا تھا گلاب کا

کہتی ہیں چرمرا کے یہ بے جان پتیاں
ہم کو ذرا بچاکے چل او خیل رہرواں
کل جب کہ تھیں گھٹائیں زرافشاں و مے چکاں
اترے تھے اپنی چھاؤں پہ پھولوں کے کارواں
بازار مہ رخاں تھا قطار خیام تھی
کل اپنے سائے میں بھی بڑی دھوم دھام تھی

ہوتے ہیں پائمال تو کہتے ہیں زرد پھول
کل رحمت عمیم کا، ہم پر بھی تھا نزول
خوبان بوستاں میں، ہمارا بھی تھا شمول
اے راہ رو، نہ ڈال ہمارے سروں پہ دھول
ہر چند انجمن کے نکالے ہوئے ہیں ہم
لیکن صبا کی گود کے پالے ہوئے ہیں ہم

ہم تھے کبھی بنفشہ و نسرین و یاسمن
نیلوفر و ہزارہ و سوری و نارون
داؤدی و شقائق و صدبرگ و نسترن
ترکان زرجبین و حسینانِ سیم تن
سینوں پہ لوٹتے تھے ہوائے بہار میں
ہم کل گندھے ہوئے تھے حسینوں کے ہار میں

کہتے ہیں زرد کنج بصد گریہ و بکا
ہم پر بھی ایک روز غضب کا نکھار تھا
اپنے حصار وسقف میں اس طرح تھی صبا
کھونگھٹ میں سر عروس کا جیسے جھکا ہوا
کیا بات پوچھتے ہو، اس اجڑے دیار کی
آئی تھی کل ادھر بھی سواری بہار کی

کہتا ہوں پھر کہ دل میں کدورت نہ چاہئے
وحدت کے سر پہ ضربت کثرت نہ چاہئے
مطلق اکائی میں عددیّت نہ چاہئے
غیریت و شر و عصبیت نہ چاہئے

آفاق ایک جسم ہے اور ایک ذات ہے
اے دوست، وہم غیر، جہالت کی بات ہے

جوہر میں ہے جو بات عرض میں بھی ہے وہی
لو کے گلے میں یخ کی ہیں بانہیں پڑی ہوئی
اک موج رنگ خاک گلستاں ہے پنکھڑی
دیکھو اگر تو دھوپ کا اک رخ ہے چاندنی

آتش ہے طبع شاخِ صنوبر لئے ہوئے
اخگر بھی ہے، مزاج گل تر لئے ہوئے

کوثر ہی میں نہیں ہیں سفینے رواں دواں
دریائے سم میں بھی ہیں بہاروں کی کشتیاں
ساغر ہی میں نہیں ہیں لطافت کے گلستاں
سنداں کے جسم پر بھی ہے تشریف پرنیاں

گل ہی نہیں ہے نور نظر ماء وطین کا
خاشاک نے بھی دودھ پیا ہے زمین کا

بے جان و جان دار کی بنیاد ایک ہے
ارض وسما کی علت ایجاد ایک ہے
بت سیکڑوں ہیں حسن خدا داد ایک ہے
سب دل الگ الگ ہیں مگر یاد ایک ہے

یکساں ہے مال گو ہیں دکانیں جدا جدا
معنی ہیں سب کے ایک زبانیں جدا جدا

تر دامنی و عصمت و کفر و پیمبری
ابرو شعاع و سایۂ وتنویر و تیرگی
خورشید و ماہ و ذرّہ و ناہید و مشتری
بلور و سنگ و جوہر و حیوان و آدمی

اور یہ جو دشت و کوہ و بیابان و باغ ہیں
سب ایک خاندان کے چشم و چراغ ہیں

بے شک جو بخشتا ہے دھڑکتے دلوں کو چین
اسکا وجود، بزم جہاں کی ہے زیب وزین
لیکن وہ بدشعار، جو ہے ننگ مشرقین
وہ شخص بھی ہے آدم و حوا کا نورعین

نفرت سے یوں نہ چاک وفا کا لباس کر
اے بھائی اپنے باپ کے بیٹے کا پاس کر

جو روشنی چکاں ہے سو ہے وہ بھی آدمی
جو تیرگی فشاں ہے سو ہے وہ بھی آدمی
جو یار مہرباں ہے سو ہے وہ بھی آدمی
اور جو، عدوئے جاں ہے سو ہے وہ بھی آدمی
تو بھاگ، خواہ موت سے یا زندگی سے بھاگ
اے آدمی، کبھی نہ مگر آدمی سے بھاگ

لاسوئے چرخ روح زمیں کو ابھار کر
نوعِ بشر کو دعوتِ حق دے پکار کر
بد ہے کوئی تو کوشش اصلاح کار کر
کچھ ہاتھ آسکے گا نہ انساں کو مار کر
نفس مرض کو درخور لطف و عطا نہ کر
اے چارہ گر مریض پہ لیکن جفا نہ کر

ہاں رحمت مسیح بن اے رحمت مآب
حسن عمل سے کھول دلوں میں طرب کے باب
سیراب کردلوں کو بہ اندازۂ سحاب
عالم پہ نور پاش ہو مانندِ آفتاب
انسان کو نہ دیدۂ جور و جفا سے دیکھ
اے بندۂ خدا تو نگاہ خدا سے دیکھ

انسان کے خمیر میں ہے عنصرِ گناہ
علت کے جور وظلم سے معلول ہے تباہ
گم راہ، کوئی شخص نہیں ہے ،خداگواہ
صید فریب جادہ ہیں گم کردگانِ راہ
ہر فرد جبر ہائے علل کا غلام ہے
نفرت، شریعت بشری میں حرام ہے

ہر تیرگی ہے اصل میں اک خفتہ روشنی
گم کردہ راہ خیر ہے دنیا کی ہر بدی
طغیانِ ذوقِ دید صمد ہے صنم گری
بھٹکا ہوا تصور وحدت ہے شرک بھی
جو ہر وہی حدوث میں ہے جو قدم میں ہے
ضو ایک ہی چراغ کی دیر وحرم میں ہے

قوموں کے درمیاں جو ہیں یہ بحر و کوہسار
یہ بعد ہائے تفرقہ انگیز و رشتہ خوار
یہ اختلاف لہجہ و نیر نگئی شعار
یہ رنگ ونسل و قوم و عقائد کی گیر و دار
ان سب کا سیل جوئے اخوت کو پاٹ کر
اترا رہا ہے خون کے رشتوں کو کاٹ کر

اونچے پہاڑ سامنے آ آ کے ڈٹ گئے
پھیلے ہوئے خلوص کے دامن سمٹ گئے
حب وطن کے ناگ دلوں سے لپٹ گئے
سینے تمام گرد کدورت سے اٹ گئے

جتنے تھے کوہ مہر و وفا کاہ ہو گئے
رشتے ہوئے دراز تو کوتاہ ہو گئے

اب بھائی ہے کہ [illegible]ائی پہچانتا نہیں
ہم بھائی بھائی ہیں [illegible] دلی جانتا نہیں
اک دوسرے کو دو[illegible] بھی گردانتا نہیں
سب ایک کوکھ سے ہیں کوئی مانتا نہیں

ارباب آشتی ہمہ تن جنگ ہو گئے
ہم جس قدر وسیع ہوئے تنگ ہو گئے

آفاق کا نچوڑ ہے سلمائے زندگی
تجھ کو ہر ایک روپ میں رہنا ہے آدمی
دور اپنی اصل سے کوئی ہوتا نہیں کبھی
یہ دین و نسل و رنگ کی باتیں ہیں بعد کی

تو سب سے پیشتر فقط انسان ہے نہ بھول
انساں کے بعد گبر و مسلمان ہے نہ بھول

انساں اگر ہے شیوۂ شرک دوئی کو چھوڑ
انساں کشی کی آڑ میں ہاں خود کشی کو چھوڑ
توہین ارتباط خفی و جلی کو چھوڑ
ناداں اہانت گہر زندگی کو چھوڑ

بالین آرزو پہ نہ گرم خروش ہو
اے بانئ مصالح قدرت خموش ہو

عالم تمام پر تو حسن خیال ہے
جو مرد ہے وہ مادر گیتی کا لال ہے
کل دہر ایک مورثِ اعلیٰ کی آل ہے
تقسیم خون حضرت انساں محال ہے

انساں بہم ہوں غیر یہ کیسا جنون ہے
جس رگ میں بھی رواں ہے وہ تیرا ہی خون ہے

جو کچھ بھی اس زمین پہ ہے خوب ہو کہ زشت
الماس و لعل و گوہر و مرجان و سنگ و خشت
کاشی و دیر و خانقہ و کعبہ و کنشت
ارض و سماء شمس و قمر، کوثر و بہشت

سنگی تری نسیم تو یہ کارواں چلا
یہ سب تری تلاش میں ہیں تو کہاں چلا

جغرافیہ کا دل جو ہلا دے وہ چال چل
نقشوں کی ہر لکیر بگڑ جائے یوں مسل
تسخیر این وآں کو خدیو جہاں نکل
اے نوح عزم ساحل آفاق پر چل

ہاں بام افتراق کو زیر کمند کر
اٹھ اور نوائے وحدتِ انساں بلند کر

اسمائے نطق و سیرت و اشکال و رنگ دیں
ان سب سے علت بشری کو غرض نہیں
ہاں محو کر نہ ذہن سے یہ نکتۂ مبیں
آتا ہے یہ زباں پہ تری ''میں'' جو ہمنشیں

یہ ''میں'' نہیں ترا ہی خم و چم لئے ہوئے
یہ ''میں'' تو ہے نظام دو عالم لئے ہوئے

منزل تری ہے وادی گنگ و جمن سے دور
صحرا و سبزہ زار و سراب و سمن سے دور
پاپا و شیخ و راہبر و برہمن سے دور
دین و رسوم و نسل و زبان و وطن سے دور

تیرا وجود فخر ضمیر حیات ہے
تو محض ایک فرد نہیں کائنات ہے

اے دوست سعی امن سے ہشار و با مراد
انسان کے دماغ کا سرطان ہے عناد
روح بشر کی موت ہے خونخواری و فساد
اپنے غضب سے جنگ ہے سب سے بڑا جہاد

لاکھوں میں بے نظیر کروڑوں میں فرد ہے
جو مسکرائے طیش میں بے شک وہ مرد ہے

لوہے میں ڈوبتی ہے نگاہ وفا شعار
آندھی کو باندھتا ہے لگاوٹ کا ایک تار
توپوں کو روندتی ہے اک آہنگ مہر بار
پتھر میں تیرتی ہے محبت کی نرم دھار

دشمن کی سمت ایک ذرا مسکرا کے دیکھ
اس حربۂ لطیف کو بھی آزما کے دیکھ

قاتل بھی ہو رہا ہو اگر پیاس سے نڈھال
پانی اسے پلا کہ یہی ہے رہ کمال
دشمن بھی گر رہا ہو تو ہاں دوڑ کر سنبھال
تھوکے بھی کوئی منہ پہ تو ماتھے پہ بل نہ ڈال

دل کی سپر پہ غیظ کا ہر وار روک لے
تار نگاہ لطف پہ تلوار روک لے

جھکتا ہے فتنہ عفو و ترحم کے سامنے
گھٹتا ہے طعنہ حسن تکلم کے سامنے
تھمتا ہے شور جنگ ترنم کے سامنے
تلوار کانپتی ہے تبسم کے سامنے
بدلے کی رسم دین و فامیں حرام ہے
احسان اک شریف ترین انتقام ہے

ہمدم ہویا حریف کسی کو سمجھ نہ غیر
ہر آن جوئے مرحمت و آشتی میں پیر
لیکن یہ امر اے دل حق بین و عرش سیر
شخصی معاملات کی حد تک ہے امر خیر
نوعی معاملات کا اندازاور ہے
اس انجمن کے ساز کی آواز اور ہے

یعنی زمین فتنہ ہو جس وقت باروار
انسانیت کے صحن میں اڑنے لگے غبار
آئین اجتماع میں پیدا ہو انتشار
ساکن معاشرہ میں تزلزل ہو آشکار
اور یہ نظر پڑے کہ زمیں داد خواہ ہے
اس وقت خوئے مہر ومحبت گناہ ہے

جس وقت اک گروہ شریر و جفا شعار
جبار و قہر بار و ستمگار و ہرزہ کار
خود بین و خود فریب و خود آرا و خود شمار
باطل نواز و خانہ بر انداز و حق شکار
دامانِ صلح و جیب اماں پھاڑنے لگے
ہر بام پہ جنوں کے علم گاڑنے لگے

توڑے ہرایک شاخ، نچوڑے ہرایک پھول
دلنے لگے علوم کھرچنے لگے عقول
ڈھانے لگے حقوق دھکنے لگے اصول
بونے لگے ظلوم اگانے لگے جہول
کھینے لگے نمائش جاہ و جلال کو
سینے لگے تصور جنگ و جدال کو

محلوں میں جلوہ ریز ہوں ارزال خیرہ سر
چالاک رہزنوں کو ملے منصب خضر
سفلوں کو ہونشست سر تخت سیم و زر
اقطاب روز گار کے بستر ہوں خاک پر
آئے اجل عوام کی جانوں کے واسطے
دنیا ہو صرف چند گھرانوں کے واسطے

جہال کی زبان پہ ہوں لن ترانیاں
اشرار خود غرض کو ملیں حکمرانیاں
برسیں حقیقتوں کی زمین پر کہانیاں
کھانے لگیں عوام کا گودا گرانیاں

سفلوں سے بھیک اہل سخا مانگنے لگیں
مرنے کی اہل علم دعا مانگنے لگیں

پوشاک اصفیا کو لعیں سوندنے لگیں
اپنے کو ماہ و سال غلط لوندنے لگیں
کشت وفا کو اہل جفا روندنے لگیں
کوندے ہر ایک سمت نئے کوندنے لگیں

حد یہ ہے دیر نعرہ لگا کر مصاف کا
کرنے لگے حرم سے تقاضا طواف کا

حیوانیت کی آگ کو سب دھونکنے لگیں
نکلے وہ بو کہ ارض و سما اونگنے لگیں
تہذیب کے دیار میں بن ہونکنے لگیں
سونے لگیں چراغ دھوئیں چونکنے لگیں

اتنے بجھیں کہ دھوپ میں تارے نکل پڑیں
نکروہ ہو کہ بیج سے شرارے نکل پڑیں

اس وقت فرض ہے کہ برائے مفاد عام
اک مرد حق پناہ اٹھے بہر انتظام
پہلے کرے زباں سے ہدایت کا اہتمام
مانے نہ پھر بھی کوئی تو لے کر خدا کا نام

پائے ہوس سے طاقت رفتار کھینچ لے
میدان میں میان سے تلوار کھینچ لے

ایسے ہی ایک دور میں اک مرد حق پناہ
پروردگار ملت و پروردۂ الٰہ
گلزار نور طور خیابان مہر و ماہ
مولائے راہ راست شہنشاہ کج کلاہ

سب عقدہ ہائے انفس و آفاق کھول کر
آیا تھا کارزار میں تلوار تول کر

آتا نہ کیونکہ صبح پہ چھائی ہوئی تھی شام
تاریک تھے حریم تجلی کے سقف و بام
بدنظمیوں کی راہ پہ تھا پائے انتظام
دنیا کے دست نحس میں تھی دین کی زمام

تھا اک سکوت خلوت ذات و صفات میں
قرآں تمام ڈوب رہا تھا فرات میں

لہرا رہے تھے بام تمدن پہ وہ علم
جن کے جلو میں صاعقہ جن کی ہوا میں سم
جس کا نبی نفاق تھا جس کا خدا درم
وہ منبر رسولؐ پہ رکھنے کو تھا قدم
دل ہل رہا تھا بحر و بر و مہر و ماہ کا
تھرا رہا تھا تخت رسالت پناہ کا

لرزاں ہوائے جہل سے شمع علوم تھی
کاشانۂ ہزار میں آواز بوم تھی
موجِ صبا پہ کشتیِ بادِ سموم تھی
اسلام کا جنازہ اٹھانے کی دھوم تھی
شور وغا ابھار کے ذوق گناہ کو
دفنا رہا تھا اشھدان لا الـــــــہ کو

خاقانیت کی پشت پہ تھا لشکر گراں
اور فقر کی جلو میں بہتر مزاج داں
اسلام تھا دلوں میں کچھ اس طرح نوحہ خواں
جس طرح سے یزید کی خرگاہ میں اذاں
ایمان یوں اسیر محن تھا سپاہ میں
جیسے یقیں کا نور ہو گم اشتباہ میں

صحرا کو تھی حکومت بستاں کی آرزو
دیو سیہ کو تختِ سلیماں کی آرزو
بدرو کو حسنِ یوسفِ کنعاں کی آرزو
ابلیس کو جلالتِ یزداں کی آرزو
پھر تاج گر رہا تھا سر مشرقین کا
منہ تک رہی تھی گردش دوراں حسینؑ کا

اتنے میں اک غبار اٹھا زر نگار سا
کانپا، پھٹا، فضا پہ ہوا چاک، چھٹ گیا
خوشبوئے مصطفےٰؐ سے مہکنے لگی فضا
دیکھا کہ آرہا ہے خدا وند کربلا
دشت خزاں میں رنگ بہاراں لئے ہوئے
زہراؑ کے مہ وشوں کا گلستاں لئے ہوئے

بنت علی کی شعلہ زبانی لئے ہوئے
عباس کے لہو کی روانی لئے ہوئے
اکبر کی نارسیدہ جوانی لئے ہوئے
اصغر کی پیاس تیر کا پانی لئے ہوئے
اشکوں پہ زلف صبر کا سایہ کئے ہوئے
انفاس میں رسولؐ کی خوشبو لئے ہوئے

ہاں مژدہ بادگردش دوراں کہ آگیا
معمار ثانیٔ حرم دینِ مصطفٰےؐ
تعظیم کے لئے وہ اٹھی روح کربلا
اور بامِ آسمان سے آنے لگی صدا
عرشِ بریں سے بادِ بہاری قریب ہے
اے قدسیو! اٹھو کہ سواری قریب ہے

خون حسین خاک پہ دیکھو وہ بہہ گیا
اسلام کی رگوں میں لہو دوڑنے لگا
صلِ علیٰ کی دھوم مچادو ملائکا
اے عرش دیکھ فرش کا اعجاز و ارتقا
غازی پلا چکا ہے لہو ماؤطین کو
اے آسمان گود میں لے لے زمین کو

ہاں چل چکا ہے شہرِ شہادت سے کارواں
عصمت کے دائروں کو بجا خیلِ قدسیاں
آنکھیں بچھا تموجِ انوارِ کہکشاں
داؤد ہاں ترانہ مقدم بلالِ اذاں
افلاک آؤ جامِ عقیدت پئے ہوئے
صف بستہ ہو نجوم کی شمعیں لئے ہوئے

حورو! چراغِ خلد جلاؤ پرے جماؤ
فردوس کو سجاؤ، سنوارو دلھن بناؤ
پیغمبرو! عبائیں پہن کر قدم بڑھاؤ
جاؤ محمدؐ عربی کے قریب جاؤ
ہاں آؤ اے فضا کے گرد گھومتے ہوئے
وہ آگیا حسین بڑھو جھومتے ہوئے

کج کر کلاہ فخر و مباہات اے خلیل
اٹھ مقدم خدیو شہیداں کو جبرئیل
ساحل پہ نور پاش ہو اے چہرۂ قتیل
آ اور چھڑک پسینہ کہ پیاسی ہے سلسبیل
جنت کا آب ورنگ کہیں دم نہ توڑ دے
شبیر اپنی پیاس کا دامن نچوڑ دے

اے ساکنان حجلۂ سرصفات و ذات!
جھک جاؤ پیش بارگہہ میرِ کائنات
اے موت ادب سے پیش کر آئینۂ حیات
عکسِ حسین کانپ چکا ہے سرفرات
اعزاز بندگان گرامی دو چند ہو
اے کربلا کی خاک فلک تک بلند ہو

ہاں تم بھی ناصران شہید جفا بڑھو
اے شاہزادگان دیار وفا بڑھو
اے شاہدانِ گل رخ گلگوں قبا بڑھو
زینبؑ بلا رہی ہے تمہیں فاطمہؑ بڑھو

اے چرخ افتخار کے شمس و قمر بڑھو!
عباسؑ منتظر ہیں، علیؑ تیز تر بڑھو!

ہاں قدسیان کنگرۂ عرش گھڑ گھڑ اؤ
اے تار ہائے بربط و آفاق جھنجھناؤ
مریمؑ کدھر ہو، فاطمہ زہراؑ کے پاس آؤ
یوسفؑ! وہ آے اکبرؑ و قاسمؑ، گلے لگاؤ

پیری شباب پر ہے مروت سے کام لو
یعقوبؑ! دست ابن مظاہر کو تھام لو

جنباں ہے عرش اب نہ دھڑک اے دل دونیم
اصغر کے پالنے کو ہلا خلد کی شمیم
زلف حسینؑ کھل کے بہے دجلۂ نسیم
در آحجاب قدس میں اے بندۂ عظیم

پیرے ہیں یہ لہو میں انہیں سرخرو کرو
زہرا کے آنسوؤں سے فرشتو وضو کرو

افسردہ جاں حبیب کی اے ناتوانیو!
اے دختر بتول کی جادو بیانیو!
اے کشتگان راہ فنا کی جوانیو!
اے خیمۂ غریب کی جلتی کہانیو!

ٹھنڈے ہیں تار، بربط ماتم سرشت کے
آؤ کھلے ہوئے ہیں دریچے بہشت کے

چھا اے حسینؑ مطلع ذوق ظہور پر
دامن کا سایہ ڈال تجلائے طور پر
اے کربلا کے ابر! برس جاشعور پر
تاحشر دوڑ تارِ سنین و شہور پر

نام یزید رینگ مقامات پست میں
اے فتح خود فریب بدل جاشکست میں

ہاں جوشؔ اب پکار کہ اے میر کربلا
اس بیسویں صدی کی طرف بھی نظر اٹھا
ہاں دیکھ یہ خروش یہ، ہلچل یہ زلزلہ
اب سیکڑوں یزید ہیں کل اک یزید تھا

طاقت ہی حق ہے شور ہے یہ گاؤں گاؤں میں
زنجیر پڑ رہی ہے پھر انساں کے پاؤں میں

پھر جنگ و جبر و جور پہ انساں کو ناز ہے
پھر آدمی پلنگ ہے کرگس ہے باز ہے
دل ہیں علیل ذوق ہوس چارہ ساز ہے
پھر حب اقتدار کی رسی دراز ہے
ذاتی مفاد پر ہیں سبک سر اڑے ہوئے
چاندی کے پھر بھنور ہیں رگوں میں پڑے ہوئے

رو ہے وہ حرص کی کہ ٹھکانے نہیں ہیں ہوش
بھٹکے ہوئے انا پہ معلق ہیں چشم و گوش
پھر آدمی ہے صلح نما و جدل فروش
سینے خزف بدست، زبانیں گہر بدوش
آ اور زلف لیلیٰ ہستی سنوار دے
ڈوبی ہوئی ہیں وقت کی نبضیں ابھار دے

تو وہ ہے جو رسن سے نہ سہما نہ دار سے
ٹکر ترے ثبات نے لی کوہسار سے
فتنوں کے سر جھکائے خم ذوالفقار سے
تونے غرور چھین لیا شہر یار سے
بیعت کی خواستگار حکومت نہیں رہی
شاہی میں تیرے بعد یہ جرأت نہیں رہی

تونے ثبات و صبر کے دریا بہا دئے
سارے نقوش ہیبت سلطاں مٹا دئے
فتنوں کے سر جھکائے پرخچے اڑادئے
تونے زمیں پہ فقر کے سکے بٹھادئے
تیرے لہو نے طرح عناں گیر ڈال دی
تونے ہوس کے پاؤں میں زنجیر ڈال دی

قصر تجلیات ہے ویراں ترے بغیر
ظلمت کی اک کرن ہے رگ جاں ترے بغیر
نامعتبر ہے عظمت انساں ترے بغیر
گونگے کا ایک خواب ہے قرآں ترے بغیر
لب ہائے مہر بستۂ حق کی زباں ہے تو
مصحف ہے اک منارۂ جامد اذاں ہے تو

جھٹکوں نے رکھ دیا تھا زمیں کو جھنجھوڑ کر
خنداں تھا جہل، علم کی آنکھوں کو پھوڑ کر
نازاں تھا سنگ شیشۂ رنگیں کو توڑ کر
"لا" مڑ رہا تھا دامن "لا" کو چھوڑ کر
تونے قصور ذوق بغاوت کو ڈھا دیا
"لا" کے در پہ "لا" کو دوبارہ جھکا دیا

تو نے دلوں کو دولتِ بیدار بخش دی
خوفِ اجل سے ہمتِ پیکار بخش دی
نطقِ گدا کو طاقتِ گفتار بخش دی
پیشِ خدیو جرأتِ انکار بخش دی
مظلوم کے غرور کو بیدار کر دیا
ناطاقتیٔ نبض کو تلوار کر دیا

تو نے زباں ہلائی تو شمشیر چل گئی
بدلی نظر خیال کی دنیا بدل گئی
کی حریت کی شرح تو زنجیر گل گئی
چھٹکائی چاندنی تو کڑی دھوپ ڈھل گئی
شبنم کی بوند اٹھائی گھٹائیں سرک گئیں
شیشے کی چوٹ دی تو چٹانیں درک گئیں

تیری نئی ادائیں ہیں عبدِ اللہ خو
جب تو ہنسا تو سنگ بنا گنگ رنگ و بو
اور جب کبھی بگڑ کے ہوا گرم گفتگو
آہن کے جو ہروں سے ٹپکنے لگا لہو
مولا! تری سرشت نے سانچے میں ڈھال کے
ڈانڈے ملادئے ہیں جمال و جلال کے

ہاں اے حسینؑ مصلحِ افکار مرحبا
اے بے نیاز اندک و بسیار مرحبا
اے تیغِ انقلاب کی جھنکار مرحبا
اے دست کرد گار کی تلوار مرحبا
تو نے لہو سے شمع جلا دی عقول کی
ہوتا نہ تو تو نبض نہ چلتی اصول کی

ہاں اے حسینؑ جامع اضداد السلام
اے بے نیاز اندک وبسیار السلام
اے فخر دہر و نازش اجداد السلام
اے افتخار حکمت ایجاد السلام
تیرے لہو کی نہر جو مواج ہوگئی
بار دگر رسولؐ کو معراج ہوگئی

بیگانہ ہوں تصور حق کے جہات سے
واقف نہیں چگونگئی واقعات سے
باہر کھڑا ہوں محفل ذات و صفات سے
اور مطمئن نہیں ہوں نظام حیات سے
جس میں بھری ہے آگ وہ تپتی زبان ہوں
میں نظم زندگی سے بہت بدگمان ہوں

موتی وہ کون سے ہیں جو میں رولتا نہیں
عقدے وہ کون سے ہیں جنہیں کھولتا نہیں
وہ کیا حقیقتیں ہیں جنہیں تولتا نہیں
تیرا لحاظ ہے کہ میں کچھ بولتا نہیں

یا میری سمت گوہر اسرار رول دے
یا پھر مری زبان کی زنجیر کھول دے

اے ناخدائے کشتی افکار المدد
فرماں روائے کشور اسرار المدد
اے باب شہر علم کے دلدار المدد
اے جانشین احمد مختار المدد

داتا گدائے راہ کا ارماں نکال دے
کونین کو فقیر کی جھولی میں ڈال دے

....

سینے پہ مرے نقشِ قدم کس کا ہے
رندی میں یہ اجلال و حشم کس کا ہے
زاہد مرے اس ہات کے ساغر کو نہ دیکھ
یہ دیکھ کہ اس سر پہ علم کس کا ہے

عظمتِ انسان

اے قلم چوب خضر ، حبل متینِ ارشاد
شانۂ گیسوئے خم دار عروسِ ایجاد
قلزم وقت میں تو زمزمۂ باد مراد
تیری تاریخ میں بجتی ہوئی صدیاں آباد

کرۂ خاک صدانوار وصد آثار کے ساتھ
رقص میں ہے تری پازیب کی جھنکار کے ساتھ

دونوں عالم کو اٹھائے ہوے شانے تیرے
بربطِ گیتی و گردوں میں ترانے تیرے
جسقدر بھی ہیں زمانے وہ زمانے تیرے
تندروَ وقت کے دھاروں میں فسانے تیرے

دور پارینہ کہ ہے موت کے ایوانوں میں
سانس لیتا ہے ترے زندہ کتب خانوں میں

تو بصد ناز جدھر سے بھی گذر جاتا ہے
جادۂ زیست کا ہر ذرہ سنور جاتا ہے
تو مہ و سال کی یورش سے نکھر جاتا ہے
ضربت وقت سے کچھ اور ابھر جاتا ہے

توڑ دیتی ہے چٹانوں کو روانی تیری
رس پر آتی ہے بڑھاپے میں جوانی تیری

نوک تیری جگر کوہ کو برماتی ہے
نازنینوں کے کلیجوں میں اتر جاتی ہے
تیری گھنگھور گھٹادل پہ جو چھا جاتی ہے
دونوں عالم کے برسنے کی صدا آتی ہے

تیری بوچھار میں ڈھلتے ہیں ترانے کیا کیا
مست رم جھم میں کھنکتے ہیں فسانے کیا کیا

تیرے سجدے میں ثریا کی بلندی غلطاں
تیرے لفظوں میں دوصد شمس وقمر زمزمہ خواں
تیری گفتار سے برنائی ذہن انساں
تیری رفتار سے رقصاں ہے نگار دوراں

تیری چوکھٹ پہ جبینیں ہیں جہاں داروں کی
سانس رکتی ہے ترے نام سے تلواروں کی

تیرا پرچم علم و چتر و عصا پر بھاری
ایک اک حرف ترا ارض و سما پر بھاری
تیرا اک عشوہ دو عالم کی ادا پر بھاری
روشنائی تری خون شہداء پر بھاری
جس میں عنصر ہے ابد کا وہ ہنر ہے تجھ میں
دولت عمر مسیحا و خضر ہے تجھ میں

تو خزف کو قمر و لعل و گہر دیتا ہے
شب لب تشنہ کو گل بانگ سحر دیتا ہے
موج تخئیل کو لفظوں میں کتر دیتا ہے
روح کاغذ کے مسامات میں بھر دیتا ہے
خامشی کو ہمہ تن ساز بنا دیتا ہے
تو خیالات کو آواز بنا دیتا ہے

تیری ٹھوکر پہ سر قیصر و تاج فغفور
تیری مطرب حرکت لرزش مژگان شعور
تیرے آغوش میں آب خضر و آتش طور
تیرے سینے میں شب قدر و نم صبح ظہور
معتبر ہے جو گواہی سو گواہی تیری
صبح صادق کا سپیدہ ہے سیاہی تیری

تو ہر اک سطر میں سو شہر بسا دیتا ہے
طاقِ الفاظ میں قندیل جلا دیتا ہے
گنگناتا ہے تو کاغذ کو بجا دیتا ہے
فکر سی چیز کو آنکھوں سے دکھا دیتا ہے
جب تجھے معرض رفتار میں لے آتے ہیں
کتنے بت ہیں کہ ترشتے ہی چلے جاتے ہیں

اے قلم مسئلہ میزان و معارف مقیاس
علم بنیاد و ہنر محور و ادراک اساس
فکر پیما و نظر ناقد و فرہنگ شناس
مشعلِ قصر ادب مشرق صبح قرطاس
نام تیرا سبب جنبش لب ہائے رسول
اے قلم موت کے لمحے کی تمنائے رسول

اے قلم نور فشاں ہو کہ دمک جائے زمیں
ظلمت وہم میں ضوبار ہو خورشید یقیں
حیف اس دور جواں پر کہ یہ ایسی عقل مبیں
آدمی کی عظمت کا اسے اندازہ نہیں
حسن ارضی پہ سماوات کو شیدا کر دے
آدمی کیا ہے یہ دنیا پہ ہویدا کر دے

آدمی دولت دارین و متاع دوراں
آدمی نغمۂ داؤد و جمال کنعاں
آدمی وارث کونین و رئیسِ دوجہاں
آدمی بربط محراب جہان گذراں

دور میں نازش آفاق کا جام آتا ہے
لب گیتی پہ جب انسان کا نام آتا ہے

فاتح مملکت باطن و ظاہر انساں
خسر و انجم و دارائے جواہر انساں
شاعر و مطرب و بت ساز و مصور انساں
موجد و مصلح و مولاو مفکر انساں

دیدۂ ارض و سماوات کا تارا انساں
قلزم وقت کا مڑتا ہوا دھارا انساں

آدمی حسن شفق نور سحر بانگ ہزار
بوئے گل رنگ حنا موج صبا رقص شرار
نغمۂ جوئے چمن زمزمۂ ابر بہار
عشوۂ موسم گل ناز ہوائے کہسار

دست کونین میں سرشار کٹورا انساں
نرگس لیلیٰ ایجاد کا ڈورا انساں

اس کی آواز جلاتی ہے سروں کی مشعل
اس کی رفتار بجاتی ہے زمیں کی چھاگل
اس کرے میں کہ عناصر ہیں جہاں گرم عمل
معتبر اک فقط انسان ہے باقی مہمل

اس کے نغموں ہی سے فردوس علم ہے دنیا
ورنہ اک واہمۂ لات و ہبل ہے دنیا

عشوۂ زہرہ جبیناں ہے اسی کے دم سے
خاک رقصاں و غزل خواں ہے اسی کے دم سے
دور میں جام بہاراں ہے اسی کے دم سے
مستی گردش دوراں ہے اسی کے دم سے

خیمۂ جشن شبستاں میں سویرا ہو جائے
یہ جو اٹھ جائے تو دنیا میں اندھیرا ہو جائے

کرۂ خاک ہے مدہوش فضا خواب میں ہے
ظلمت آلودہ بغفلت ہے ضیاء خواب میں ہے
شب تارو سحر لالہ قبا خواب میں ہے
نجم و خورشید و قمر ارض و سما خواب میں ہے

عقدہ ہے کون و مکاں عقدہ کشا ہے انساں
اس ندا پے میں فقط جاگ رہا ہے انساں

اسکی تخئیل کے حلقے میں جناں رقصاں ہے
نغمہ برلب ہے مکاں دورِ زماں رقصاں ہے
زُمگیں لیلئی اسرارِ نہاں رقصاں ہے
اسکی انگنائی میں روح دو جہاں رقصاں ہے

یہ رئیس قمری ہے یہ امامِ شمسی
اس کے انفاس پہ تلتا ہے نظامِ شمسی

آدمی فاتح مستقبل امراض و اجل
آدمی عربدۂ آخر و نازِ اول
صاحبِ قوس و ہلال و شفق وابر و جبل
آمرِ مہر و مہ و زہرہ و ناہید و زحل

شرفِ کعبہ و اعزازِ کلیسا انساں
زندگی محمل و رقصندہ ہے لیلیٰ انساں

اس کی محراب میں غلطیدہ فرشتوں کا ورود
اس کی سرکار میں جبرئیلِ امیں سربہ سجود
اس کے انکار کی پاداش میں شیطاں مردود
اس کا جنت سے ہبوط اصل میں ہیجان صعود

خلد کو تج کے تھرکتی ہوئی جنت پائی
خاک کی گود میں آیا تو خلافت پائی

یہ شبِ ماہ کی جگ مگ یہ سحر کا گل زار
شبنمِ گل پہ یہ نوخیز شعاعوں کا نکھار
رقص کرتی ہوئی تتلی پہ یہ رنگوں کی پھوار
آدمی کی فقط اک موجِ تبسم پہ نثار

لیلیٰ نغمۂ کن کا خم و چم ہے انساں
جس کی جھولی میں صمد ہے وہ صنم ہے انساں

نرم آنچوں پہ مہ و سال نے سینکا ہے اسے
چاندنی نے طبقِ سیم میں گوندھا ہے اسے
سرخ تیشوں سے شعاعوں نے تراشا ہے اسے
چھینیاں وقت کی ٹوٹی ہیں تو کھرچا ہے اسے

جو بن اپنا مہ و خورشید نے جب گھالا ہے
تب کہیں نور کے سانچے میں اسے ڈھالا ہے

مدتوں دایۂ فطرت نے کھلایا ہے اسے
دودھ صدیوں نے لگاتار پلایا ہے اسے
کتنے بپھرے ہوئے دھاروں نے ترایا ہے اسے
کتنی صبحوں کے تسلسل نے جگایا ہے اسے

کتنے قرنوں کی مشقت نے اجالا ہے اسے
خون تھوکا ہے عناصر نے تو پالا ہے اسے

ظلمت و نور گل و خار سرور و غوغا
آب و آتش خزف و برگ سراب و دریا
پا بہ گل کوہ دواں نہر پرافشاں صحرا
چپچپی دھوپ سیہ ابر گلابی جاڑا

ان سب اضداد نے مل جل کے سنوارا ہے اسے
خاک نے کتنے جتن کر کے نکھارا ہے اسے

اس کو جھولے میں جھلایا ہے صبا نے برسوں
لوریاں دی ہیں سمندر کی ہوا نے برسوں
اسکو پروان چڑھایا ہے فضا نے برسوں
اسکو چوما ہے لب ارض و سما نے برسوں

خاک گرداں کی پسینے سے نسیں بھیگی ہیں
تب کہیں خیر سے انساں کی مسیں بھیگی ہیں

اس کے انفاس سے رخسار تمدن پہ شباب
اس کی آواز سے گلزار ترنم شاداب
اس کے ادراک کی چٹکی میں دو عالم کی نقاب
اس کی پلکوں کی جھپک ارض و سما کی مضراب

خاک پرزمزمۂ نہر جناں ہے انساں
دہن لیلیٰ عالم میں زباں ہے انساں

مرغزار و چمن و وادی و کوہ و صحرا
سبزہ و شبنم و ریحان و گل و سرو و صبا
ذرہ و اختر و مہر و مہ ودشت و دریا
سب یہ گونگے ہیں اٹھائے ازلی سناٹا

گرہ ارض و سما کھول رہا ہے انساں
اس خموشی میں فقط بول رہا ہے انساں

آدمی صاحب گیتا وزبور وقرآں
کفر ہے اس کی صباحت تو ملاحت ایماں
بانی دیر و حرم وضع ناقوس و اذاں
خالق اہر من و موجد حرف یزداں

یہ جو عیب و ہنر وزشتی و زیبائی ہے
فقط انسان کی ٹوٹی ہوئی انگڑائی ہے

دوزخ دہر میں گلزار جناں ہے انساں
حلقۂ زلف و خم آب رواں ہے انساں
جنبش نبض مکاں روح زماں ہے انساں
خاک ہے تاج محل شاہجہاں ہے انساں

حاکم کون و مکاں ناظم دوراں انساں
خاک اک رحل سبک سیر ہے قرآں انساں

اس کے انفاس سے خوشبو میں روانی آئی
خامشی کو روش زمزمہ خوانی آئی
آگ ورش کو لئے تھال میں پانی آئی
اس نے دیکھا تو زلیخا پہ جوانی آئی

اس کی آواز نے درہائے ادا کھول دئے
طور سے بن نہ پڑا بند قبا کھل دئے

آدمی حافظ و خیام و انیس و عرفی
غالب و مومن وفردوسی و میر و سعدی
خسرو و رومی و عطار و جنید و شبلی
یونس و یوسف و یعقوب و سلیمان و علی

خطبۂ حضرتِ خلاق کا منبر انساں
انتہا یہ کہ محمدؐ سا پیمبر انساں

آپ کہتے ہیں کہ اللہ کو بندے پہچان
اور بیگانہ ہے انسان سے اب تک انسان
اس جہالت میں کہاں علم خدا کا امکان
شرط اول ہے کہ حاصل ہو بشر کا عرفان

ذکر ابھی آپ نہ اللہ کا للہ کریں
فقط انسان سے انسان کو آگاہ کریں

ذہن جس وقت کہ ہو جائیگا انساں آگاہ
تو نکل آئیگا خود پردۂ انساں سے الہٰ
وحدت انفس و آفاق کو پالے گی نگاہ
اور شریعت یہ بنے گی کہ تکدر ہے گناہ

شور ہوگا نہ رہے کوئی وفا کا دشمن
بے شک انسان کا دشمن ہے خدا کا دشمن

دوست اپنا ہے تو انسان کے دامن کو نہ چھوڑ
ہاں اسی حبل متیں کی طرف ادراک کو موڑ
دل تو دل ہے کسی پتھر کو بھی جھلا کے نہ توڑ
کہ یہ انداز ہے اللہ کی وحدت کا نچوڑ

گو قباحت ہے بڑی کافر یزداں ہونا
اس سے بدتر ہے مگر کافر انساں ہونا

پھر تو کھل جائیگی یہ بات کہ بے حب انام
نہ ولایت نہ امامت نہ رسالت نہ پیام
دل ہے بے سوز تو مہمل ہیں طواف و احرام
سب سے بہتر عمل خیر ہے تیمار عوام

ان کو سرکار دو عالم کے پیام آتے ہیں
جو برے وقت میں انسان کے کام آتے ہیں

بات تو جب ہے کسی فرد سے وحشت نہ رہے
دوست تو دوست ہے دشمن سے بھی نفرت نہ رہے
دل ہو یوں صاف کہ امکان کدورت نہ رہے
عقل کی ہے یہ نجابت کہ عداوت نہ رہے
شہر وحدت میں نبردِ حرم و دیر نہیں
صحت فکر اگر ہے تو کوئی غیر نہیں

اپنے یاروں کی محبت ہے مزاج انساں
آپ بھی اپنے رفیقوں پہ ہیں گوہر افشاں
دل سے تھا شمر بھی اپنے رفقا پر قرباں
آپ اور شمر ہیں اس سطح پہ بالکل یکساں
ہاں جو دل میں چمن حبّ عدو کھل جائے
آپ کو سطح حسین ابن علی مل جائے

کفر بھی راہ محبت میں ہے عین اسلام
عنصر بغض ہو دل میں تو عبادت بھی حرام
جو کسی قلب پہ جڑتا ہے نگین اکرام
کندہ ہوتا ہے درِ عرش پہ اس شخص کا نام
جب کوئی غیر کو پیغام اماں دیتا ہے
اٹھ کے ہر ذرۂ آفاق اذاں دیتا ہے

کپکپاتی ہے جسے آہِ اسیرانِ بلا
جس کے سینے میں دھڑکتی ہے صدائے فقرا
جس کے اعصاب کو ڈستا ہے رخِ زرد گدا
جس کی شہ رگ میں کھٹکتی ہے نگاہِ غرباء
تذکرے اس کے فرشتوں میں ہوا کرتے ہیں
انبیاء اس کی زیارت کی دعا کرتے ہیں

تلخ کاموں کو پلاتا ہے جو آب شیریں
بخشتا ہے کسی مضطر کو جو کیف تمکیں
عمر بھر خدمت انساں سے جو تھکتا ہی نہیں
اس کی سرکار میں خود عرش جھکاتا ہے جبیں
اپنے زانو پہ جو دکھیوں کو سلا لیتا ہے
اس کو اللہ کلیجے سے لگا لیتا ہے

جس کی ہر سانس ہو اک ولولۂ خیر انام
نیند جس کی ہو غریبوں کی محبت میں حرام
جادۂ خدمت انساں پہ جو ہو گرم خرام
اس الوہی بشریت پہ درود اور سلام
حامل اوج الوہیت انساں تھے حسین
ہاں اسی جادۂ خدمت پہ خراماں تھے حسین

قافلے دھوپ میں جس وقت کہ چکراتے تھے
ہائے کیا دل تھا انہیں چھاؤں میں لے آتے تھے
داد احسان کی ملتی تھی تو شرماتے تھے
تشنہ لب دیکھ کے دشمن کو تڑپ جاتے تھے
دشت بے آب میں کوثر کی روانی تھے حسین
کشت انساں پہ برستا ہوا پانی تھے حسین

چشمۂ بذل وسخا دجلۂ جود و احساں
مصلحِ وضعِ جہاں عزت نوع انساں
لنگر کشتیٔ حق ناشر حکم یزداں
خادم خستہ دلاں ہادم قصر سلطاں
خاور صدق و صفا داور ایثار حسین
کل جہاں قافلہ و قافلہ سالار حسین

چشم نم ناک میں تھا پرتو روئے بے شیر
سانس لیتے تھے تو چبھتا تھا جگر میں اک تیر
برق جوالہ کی تھی موج ہوا میں تاثیر
اور اس نقطۂ حدت پہ کھڑے تھے شبیر
کہ جہاں دھوپ کچھ اس طور سے برماتی ہے
سینۂ برف سے بھی آنچ نکل آتی ہے

پھر بھی ماتھے کا پسینہ جو گرا دیتے تھے
پل میں دہکے ہوئے سورج کو بجھا دیتے تھے
چاندنی دھوپ کے آنگن میں کھلا دیتے تھے
لو پہ رکھتے تھے قدم پھول بنا دیتے تھے
رخ پہ اک آنچ سی جب پیاس میں لہراتی تھی
جھرجھری کوثر و تسنیم کو آجاتی تھی

اتنی حدت میں بھی آہنگ زمستاں تھے حسین
آب و رنگ چمن وابر بہاراں تھے حسین
کشت آئین رسالت کے نگہباں تھے حسین
فرق سے تا بہ قدم موسم باراں تھے حسین
جھوم کر چرخ پہ قبلے سے گھٹا آتی تھی
بات کرتے تھے تو جنت کی ہوا آتی تھی

بزم اجمال میں تفسیر مفصل تھے حسین
طاعت متصل و حمد مسلسل تھے حسین
شاہد گل بدن و حجلۂ مقتل تھے حسین
ہادی پختہ و انسان مکمل تھے حسین
سایۂ تیغ میں بھی درس وفا دیتے تھے
انتہا یہ ہے کہ قاتل کو دعا دیتے تھے

مصر مقتل میں جواب مہ کنعاں تھے حسین
طرفہ اک زمزمۂ نوحہ بداماں تھے حسین
صبح افسردگی شام غریباں تھے حسین
کوثر تشنہ دہاں خندۂ گریاں تھے حسین

دشت فریاد میں گل بانگ ترنم تھے حسین
لیلیٰ آہ کے ہونٹوں کا تبسم تھے حسین

نازش نوع بشر فخر اب وجد تھے حسین
مفرد و مستند و اشرف و امجد تھے حسین
سجدہ کرتا تھا جدھر کعبہ وہ معبد تھے حسین
نقطۂ پختگیٔ فکرِ محمدؐ تھے حسین

یہ نہ ہوتے تو یقیں صیدگماں ہوجاتا
آخری شعلۂ پیغام دھواں ہوجاتا

جگر ختم رسل جان علی شمع بتول
خاور جود و کرم داور اقدار واصول
موت کو گردِ قدم مل نہ سکی وہ مقتول
خاتم حق کے نگیں دین شہادت کے رسول

مثل شبیر جنہیں پاسِ وفا ہوتا ہے
ایسے بندوں ہی کے پردے میں خدا ہوتا ہے

بہر شادابی رنگینیٔ گل زار انام
طاق جنت میں جلانے کو چراغ اتمام
اس تمنا میں کہ ڈس لیں نہ یقیں کو اوہام
خیمۂ پاک سے جسوقت کہ نکلے تھے امام

میر آفاق بہ صد زینت و زین آتے ہیں
دور تک شور بپا تھا کہ حسین آتے ہیں

آپ کیا آئے کہ پیغام بہاراں آیا
دشت پرخار میں زہرا کا گلستاں آیا
مردہ ذروں کی طرف چشمۂ حیواں آیا
افق مصر پہ گویا مہ کنعاں آیا

سورمارن میں بہ صد شان تفاخر آئے
جن کی عادت ہے شہادت وہ بہادر آئے

آپ کیا آئے کہ میدان بنا باغ نعیم
آئی ہر سمت سے فردوس کے پھولوں کی شمیم
جھک گئے انفس و آفاق برائے تسلیم
اپنے سینے سے لگانے کو بڑھے ابراہیم

ہاتھ پھیلائے ہوئے باد بہاری آئی
جھوم اٹھے خار کہ پھولوں کی سواری آئی

بزم ارواح میں پہنچی جو حسینی آواز
تو زمیں پر اتر آئے جو نبی تھے ممتاز
مصطفیٰ جھک گئے سجدے میں بہ افراط گداز
فاطمہ نے یہ صدا دی کہ تری عمر دراز
ہل گیا عرش معلیٰ وہ تلاطم آیا
لب قدرت پہ اک افسردہ تبسم آیا

اللہ اللہ وہ میدان میں تقریر امام
نرم لہجے میں کھنکتے ہوئے فردوس کے جام
یوں مرتب تھا لب خشک پہ شاداب کلام
جادۂ وحی پہ جس طرح نبوت کا خرام
بات میں لہر یہ دیں تشنہ لبی آتی تھی
بوئے انفاس رسول عربی آتی تھی

ذہن بہرے تھے خطابت نہ ہوئی بارآور
رس کی بوندوں کو بھلا جذب کرے کیا پتھر
طبل پر چوٹ پڑی دشت ہوا زیر و زبر
باندھ لی آل محمد نے بھی مرنے پہ کمر
پھر تو اک برق تپاں جانب اشرار چلی
نہ چلی بات تو پھر دھوم سے تلوار چلی

رن میں ہر چند کہ تھا دبدبۂ قیصر و جم
لشکر و دمدمہ و طنطنہ و رعب و حشم
دشنہ و خنجر و تیر و تبر و تیغ و علم
لڑکھڑائے نہ محمد کے نواسے کے قدم
سر اشرار سے میدان وغا پاٹ دیا
تیغ برّاں کا رگ جاں سے گلا کاٹ دیا

یوں چلی کشتیٔ قلزم شکن تشنہ لباں
تھم گیا شور ہوا، رک گئی نبض طوفاں
انکسار دل شبیر نے زہ کی جو کماں
ہاتھ بھر منہ سے نکل آئی تکبر کی زباں
پشتۂ دجلۂ طغیانِ ستم ٹوٹ گیا
ناؤ ٹکرائی تو گرداب کا دم ٹوٹ گیا

تاج نے آل محمد پہ جو روکا پانی
پیاس کے ابر سے یوں ٹوٹ کے برسا پانی
بے دھڑک قصر حکومت میں در آیا پانی
ہوگیا سر سے شہنشاہ کے اونچا پانی
تاج داری مع اورنگ و نگیں ڈوب گئی
آسماں سے جو لڑی تھی وہ زمیں ڈوب گئی

جوئے خوں میں جو دلیروں کے سفینے آئے
چند پیاسے جو لہو موت کا پینے آئے
مرد جب سر سے کفن باندھ کے جینے آئے
شہریاری کو پسینے پہ پسینے آئے
نبض آقائی ابلیس ہوس چھوٹ گئی
فقر کی ضرب سے شاہی کی کمر ٹوٹ گئی

وہ لب فسق پہ تبلیغ نواہی نہ رہی
نشۂ کبر کی وہ مست جماہی نہ رہی
ذوق بیعت کی جلو میں وہ تباہی نہ رہی
تاؤ مونچھوں پہ جو دیتی تھی وہ شاہی نہ رہی
حشم قیصری و فرکیانی نہ رہا
پیاس کی دھوپ سے تلوار میں پانی نہ رہا

اللہ اللہ جہاں کوب حسینی اصحاب
جن کے دریائے شجاعت میں دو عالم غرقاب
اکبر و ابن مظاہر کا نہیں کوئی جواب
وہ لڑکپن کی جوانی یہ بڑھاپے کا شباب
دونوں جاں باز تھے دونوں ہی جری کیا کہنا
مشعل شام و چراغ سحری کیا کہنا

قطرۂ دل میں لئے ایک سمندر تھے حسین
ذات واحد میں سمیٹے ہوئے لشکر تھے حسین
دین آداب رفاقت کے پیمبر تھے حسین
جان دینے کو جب آئے تو بہتر تھے حسین
سر فرشتوں کے یہاں آج بھی خم ہوتے ہیں
ایسے انسان رسولوں میں بھی کم ہوتے ہیں

حیف جس قوم کا سلطان ہو ایسا انساں
وہ رہے خستہ پریشاں معطل حیراں
نہ شرربار ترنگیں نہ دہکتے ارماں
جس کی آنکھیں فقط آباد ہوں سینے ویراں
ہمت و جرأت و ایثار و وفا کچھ بھی نہیں
ذکر مولا پہ کراہوں کے سوا کچھ بھی نہیں

زندگی شعلۂ جوالا ہے گلزار نہیں
موت کا گھاٹ ہے یہ مصر کا بازار نہیں
اپنے آقا کی تاسی پہ جو طیار نہیں
زندہ رہنے کا وہ انسان سزاوار نہیں
جو حسینی بھی ہے اور موت سے بھی ڈرتا ہے
ہاں وہ توہین حسین ابن علی کرتا ہے

جہلا جب کلمہ علم کو ٹھکراتے ہیں
علماء دین کو جب بیچ کے کھاجاتے ہیں
سفہاء دولت فانی پہ جب اتراتے ہیں
جو حسینی ہیں وہ میداں میں نکل آتے ہیں
دھجیاں دامن دولت کی اڑا دیتے ہیں
باد صرصر کو چراغوں پہ نچا دیتے ہیں

مردہ وہ ہیں پر باطل جو کتر دیتے ہیں
حق جو مانگے تو دل و جان و جگر دیتے ہیں
شیر سا بھائی تو یوسف سا پسر دیتے ہیں
ہات بیعت کو بڑھاتے نہیں سر دیتے ہیں
آتش مرگ میں بے خوف و خطر جاتے ہیں
آنچ آتی ہے جو عزت پہ تو مر جاتے ہیں

سورما فتنۂ باطل کو دبا دیتے ہیں
خون دہکے ہوئے ذروں کو پلا دیتے ہیں
اپنی گودوں کے چراغوں کو بجھا دیتے ہیں
اپنے چاندوں کو اندھیروں میں سلا دیتے ہیں
مثل شبیر جو پیغام عمل دیتے ہیں
ایسے ہی لوگ زمانے کو بدل دیتے ہیں

میں یہ پوچھوں جو خفا ہوں نہ رفیقانِ کرام
کہ لرزتے تو نہیں آپ حضورِ حکام
آپ سرکار میں جھکتے تو نہیں بہرِ سلام
آنکھ شاہوں سے ملاتے ہیں بہ انداز امام
رائے بکتی تو نہیں آپ کی بازاروں میں
آپ کا رنگ تو اڑتا نہیں درباروں میں

آپ باطل سے دبکتے ہیں تو یارانِ کرام
آپ کو نام حسین ابن علی سے کیا کام
جایئے بیٹھئے خلوت میں علی الرغم امام
لوٹیے دولت لب ہائے بتان گل فام
خود کو عشرے میں نہ مغموم بنائے پھریئے
اپنی غیرت کے جنازے کو اٹھائے پھریئے

آپ کا آل محمد سے جدا ہے دستور
قابل غور نہیں مسئلۂ شرح صدور
آپ کا شغل ہے کوئی تو فقط کشف قبور
آپ کو پیروئ شیر خدا نا منظور
آپ تو شمع رہ و رسم کے پروانے ہیں
دوش پر کعبہ ہے سینوں میں صنم خانے ہیں

قوم وہ قوم ہے جو عزم کی متوالی ہے
دین بے روح فقط دین کی نقالی ہے
دل ہے غافل تو عبادت بھی بداعمالی ہے
بے عمل قوم کی قرأت نہیں قوالی ہے
موت کے وقت کی یسین بنا رکھا ہے
دین کو آپ نے اک بین بنا رکھا ہے

آپ ناواقف پیوستگیٔ عشرہ و عید
آپ اک قفل ہیں اور قفل بھی گم کردہ کلید
دل ہیں خاشاک وخزف دیدۂ تر مروارید
دعوۂ حبِ حسین اور ہوس قرب یزید
سوزخواں کے ہیں طلب گار رجز خواں کے نہیں
آپ مجلس کے مسلمان ہیں میداں کے نہیں

ایک دھوکا ہے لگاوٹ میں اگر لاگ نہیں
لونکل آئے نہ جس راگ سے وہ راگ نہیں
قلزم برق کا اشکوں میں ذرا جھاگ نہیں
حیف پانی تو ہے موجود مگر آگ نہیں
چٹکیاں لے نہ لہو میں تو جوانی کیا ہے
آگ کی جس میں نہ ہلچل ہو وہ پانی کیا ہے

کربلا اب بھی ہے اک ہوش ربا انگارا
اپنے پانی میں لئے آگ کا جولاں آرا
برق و آتش کا ابلتا ہوا اک فوارا
ایک مڑتا ہوا خون شہدا کا دھارا
رنگ اڑتا نظر آتا ہے جہاں داروں کا
مینہ برستا ہے یہاں آج بھی تلواروں کا

کربلا آج بھی ہے ایک لگاتار پکار
ہے کوئی پیرویٔ ابن علی پر طیار
عصر حاضر میں یزیدوں کا نہیں کوئی شمار
تم مصلوں پہ دو زانو ہو مسلح اشرار
شور ماتم میں کہیں تیغ کی جھنکار نہیں
لب پہ نالے ہیں مگر ہاتھ میں تلوار نہیں

کربلا میں ہے وہی شعلہ فشانی اب تک
آگ کی موج ہے تلوار کا پانی اب تک
تشنگی میں ہے وہی دجلہ چکانی اب تک
منچلوں کی ہے وہی زمزمہ خوانی اب تک
روئے ماحول پہ بانکوں کی وہ دھج ہے اب بھی
میرے سوئے ہوئے شیروں کی گرج ہے اب بھی

کربلا میں اثر باغ جناں آج بھی ہے
بوے انفاس مسیحا نفساں آج بھی ہے
حسن رنگینیٔ خونیں کفناں آج بھی ہے
صبح عاشور کی گل بانگ اذاں آج بھی ہے
اک پر اسرار خموشی ہے پر افشاں اب تک
صبح کے دوش پہ ہے شام غریباں اب تک
اب بھی گو دھوپ کی شدت سے زمیں بھنتی ہے
سوزن خاک شراروں کی ردا بنتی ہے
پھر بھی ذروں سے ہوا لعل و گہر چنتی ہے
زندگی سیرتِ شبیر پہ سر دھنتی ہے
رنگ رخسارۂ تاریخ نکھر جاتا ہے
لب پہ جب نام حسین ابن علی آتا ہے
کربلا اب بھی سر وقت پہ لہراتی ہے
زلف کی طرح خیالات پہ بل کھاتی ہے
خامشی رات کو جس وقت کہ چھا جاتی ہے
دل زینب کے دھڑکنے کی صدا آتی ہے
کبھی ظلمت میں جو کوندا سا لپک جاتا ہے
ایک قرآن بلندی پہ نظر آتا ہے

اب بھی اک سمت سے اٹھتا نظر آتا ہے دھواں
بیبیاں چند کھلے سر نظر آتی ہیں یہاں
ایک گوشے میں ہے گونجی ہوئی آواز اذاں
اک پھریرا ہے سیہ پوش فضا پر غلطاں
چند سائے نظر آتے ہیں خراماں اب بھی
ایک زنجیر کی جھنکار ہے لرزاں اب بھی
کربلا کے رخ رنگیں پہ دمک آج بھی ہے
اسکے در کے ہوئے شیشوں میں کھنک آج بھی ہے
کل کی برسی ہوئی بدلی کی دھنک آج بھی ہے
ایک نوشاہ کے سہرے کی مہک آج بھی ہے
کچھ گریباں نظر آتے ہیں فضا پر اب بھی
ایک جھولا متحرک ہے ہوا پر اب بھی
کربلا سر سے کفن باندھ کے جب آتی ہے
وسعت ارض و سماوات پہ چھا جاتی ہے
تند انفاس سے فولاد کو برماتی ہے
تیرو تیر کو خطرے میں نہیں لاتی ہے
چڑھ کے نیزے پہ دو عالم کو ہلا دیتی ہے
کربلا موت کو دیوانہ بنا دیتی ہے

کربلا اب بھی حکومت کو نگل سکتی ہے
کربلا تخت کو تلووں سے مسل سکتی ہے
کربلا خار تو کیا آگ پہ چل سکتی ہے
کربلا وقت کے دھارے کو بدل سکتی ہے
کربلا قلعۂ فولاد ہے جراروں کا
کربلا نام ہے چلتی ہوئی تلواروں کا

کربلا ایک تزلزل ہے محیط دوراں
کربلا خرمن سرمایہ پہ ہے برق تپاں
کربلا طبل پہ ہے ضربت آواز اذاں
کربلا جرات انکار ہے پیش سلطاں
فکر حق سوز یہاں کاشت نہیں کر سکتی
کربلا تاج کو برداشت نہیں کر سکتی

جب تک اس خاک پہ باقی ہے وجود اشرار
دوش انساں پہ ہے جب تک حشم تخت کا بار
جب تک اقتدار سے اغراض ہیں گرم پیکار
کربلا ہاتھ سے پھینکے گی نہ ہرگز تلوار
کوئی کہہ دے یہ حکومت کے نگہبانوں سے
کربلا اک ابدی جنگ ہے سلطانوں سے

کہہ رہا ہے یہ ارے کون یہ انداز سروش
کہ بس امروز ہے امروز نہ فردا ہے نہ دوش
کس کی یا رب یہ صدا ہے کہ فضا ہے خاموش
میں حسین ابن علی بول رہا ہوں اے جوش
بخش دے آگ مرے سرد عزاداروں کو
ہاں جگاڈاب میں سوئی ہوئی تلواروں کو

کربلا بہر عمل نعرہ زناں ہے اب تک
کربلا گوش بر آواز یلاں ہے اب تک
کربلا منتظر صف شکناں ہے اب تک
کربلا جانب انساں نگراں ہے اب تک
داد غم ایک بھی جاں باز نہیں دیتا ہے
کوئی آواز پہ آواز نہیں دیتا ہے

....

فروغِ داغِ جگر مہر وماہ پا نہ سکے
وہ عشق ہی نہیں کونین پر جو چھا نہ سکے
خلیل نے بھی نہ پایا عروجِ عزمِ حسین
بنایا کعبہ مگر کربلا بنا نہ سکے

زندگی و موت

ہاں آنا ہے وہ دبیر نفس و دارائے حیات
شور جس کا گرم دن گلبانگ جسکی سردرات
جس پہ مبنی جذبۂ حفظ حیات وحبِ ذات
کیا زمیں کیا آسماں جس کی جلو میں کائنات
کج اسی کے بانکپن سے ہے کلاہ زندگی
یہ رسول ذہن انساں ہے الٰہ زندگی
یہ انا ہے وہ قدم جو ڈگمگا سکتا نہیں
جس میں استغنا کے ہاتھوں جھول آسکتا نہیں
یہ کسی طوفان کو خطرے میں لا سکتا نہیں
یہ چراغ داوری ہے جھلملا سکتا نہیں
یہ دلوں کی آبرو یہ ولولوں کی جان ہے
رحل نفس آدمی پر یہ انا قرآں ہے

آدمی ہو اور اپنی ذات پرچیں بر جبیں
زندگی اور اپنی عینیت پر الٹے آستیں
یہ تو ممکن ہے کہ انساں توڑ دے حبل متیں
حشر تک لیکن انا سے ہاتھ اٹھا سکتا نہیں

یہ انا ہی تو محافظ ہے بشر کی جان کا
یہ نہ ہو تو دم نکل جائے غریب انسان کا

خدمت احباب و ملک و دودمان و اقربا
جور وخلق و رحم و عشق و نفرت وبیم ورجا
شفقت و قربانی واخلاص و ایثار و سخا
حب دنیا حبِ عقبیٰ حب حق حبِ خدا

جزرومد یہ سب کے سب ہیں جو ہے احساسات کے
کتنے لاتعداد رخ ہیں ایک حبِ ذات کے

ثبت ہر انسان کے دل پر ہے یہ مہر خیال
میں ہوں صدر علم وبدر عقل وسلطان جمال
معتبر ہے صرف میرا فعل میرا انفعال
مجھ سے بڑھ جائے یہ کس میں تاب یہ کس کی مجال

ذات میری افتخار مہر وناز ماہ ہے
مجھ سے برتر ہے کوئی تو کون خیراللہ ہے

قابل برداشت جب رہتا نہیں دردِ حیات
ڈھونڈتی ہے تلملاہٹ زہر میں راہ نجات
اس عمل سے عقل انسانی میں آتی ہے یہ بات
ارتکاب خودکشی تک ہے جنون حبّ ذات

آدمی جیتا ہے سازو برگ عشرت کے لئے
اور مرتا بھی ہے تو دفعِ اذیت کے لئے

شادماں ہوتا ہے تو اپنی خوشی کے واسطے
نقد جاں کھوتا ہے تو اپنی خوشی کے واسطے
کانٹا بوتا ہے تو اپنی خوشی کے واسطے
جاگتا سوتا ہے تو اپنی خوشی کے واسطے

کام رکھتا ہے فقط اپنے ہی مرغوبات سے
کس قدر انسان کو ہے عشق اپنی ذات سے

سوچتا ہے آدمی ارض وسما کچھ بھی نہیں
زیر محراب فلک میرے سوا کچھ بھی نہیں
مجھ سے کٹ جائیں اگر تو انبیا کچھ بھی نہیں
رشتۂ مجھ سے توڑ ڈالے تو خدا کچھ بھی نہیں

جملہ انساں ہیچ ہیں محبوب آب وگل ہوں میں
سب ہیں اعضاء سینۂ فرشِ زمیں کا دل ہوں میں

میں جمال وادیٔ ایمن غزال کوہ قاف
قلب میرا قدسیوں کی بارگاہ اعتکاف
انفس و آفاق میرے گرد سرگرم طواف
نامۂ اعمال میرا عین کعبے کا غلاف
خاک پر مجھ سا ادا سنج قضا کوئی نہیں
اس کرے پر صرف میں ہوں دوسرا کوئی نہیں

میں دل عرش بریں ہوں دیدۂ فرش زمیں
ہاں مری تخئیل کے باہر نہ دنیا ہے نہ دیں
مجھ کو اس آئینہ خانے میں برب عالمیں
اپنے چہرے کے سوا کچھ بھی نظر آتا نہیں
میں حقائق کی زباں ہوں داستاں ہے کائنات
کارواں میں ہوں غبار کارواں ہے کائنات

یہ عجب دھن ہے کہ ہر فرد بشر کے روبرو
صرف اپنا مدعا ہے صرف اپنی آرزو
صرف اپنا کروفر ہے صرف اپنی آبرو
صرف اپنا ذکر اپنی فکر اپنی گفتگو
کان دھرتا ہی نہیں کوئی کسی کی بات پر
کس قدر لہلوٹ ہے انسان اپنی ذات پر

نیلم و یاقوت و مروارید و الماس و نگیں
لالہ و شمشاد ونسرین وچنار و یاسمیں
سبحہ و زنار و خیط و ابیض و حبل متیں
سب ہیں مہمل جب گلے میں سانس کا ڈورا نہیں
صرف میرا اک کھلونا ہے جہاں کچھ بھی نہیں
میں نہیں تو یہ زمیں یہ آسماں کچھ بھی نہیں

خواہ کتنی برہمی ہو خواہ کتنی ابتری
خواہ کتنا ہی جھنجھوڑیں گردشیں افلاک کی
خواہ کتنی ہی بلاؤں میں گھری ہو زندگی
پھر بھی جینے کی دعائیں مانگتا ہے آدمی
تھرتھراتا تلملاتا بلبلاتا ہے بشر
زندگی کو پھر بھی سینے سے لگاتا ہے بشر

نغمہ برلب جام برکف گل بداماں زندگی
قوس طرف کوہ ومحراب خمستاں زندگی
جوئے رنگ و چشمۂ آب چراغاں زندگی
موج رقص ودجلۂ آہنگ و الحاں زندگی
موج سوز دل ہے اس کے شعلۂ آواز میں
حرف کن کے نرم ہلکورے ہیں اسکے ساز میں

زندگی ربط نہان انتشار و انجماد
اتحاد برف و اخگر ارتباط حبس و باد
انضمامِ خشک و تر آمیزشِ بست و کشاد
بادہ طبع و بادہ صل و برق نسل و بجزاد

سینۂ شمشیر میں حبِّ گلو ہے زندگی
چاک کے ہاتھوں میں تسبیح رفو ہے زندگی

زندگی وحشی عناصر کا مہذب شاہکار
ربطِ صبح و شام ضبط ریگ زاروجوئے بار
اعتدال آب و آتش امتزاج نوروِنار
خرمن و برق تپاں کا نقطۂ بوس و کنار

ایک تکوینی ضمانت امتناع جنگ کی
ایک تعمیری ہم آغوشی بلوروسنگ کی

زندگی اضداد کا پیمان لطف واتفاق
اک ہم آہنگی میان جذبۂ وصل و فراق
اک اٹل میثاق مابین جمود و انشقاق
خیر و شر کا صلح نامہ شمع وصرصر کا وفاق

شبنم وخورشید کا عہد وفا ہے زندگی
دیکھئے توبت پرکھئے تو خدا ہے زندگی

دن ترنگیں بخشتا ہے رات خواب شکریں
صبح چھلکاتی ہے کرنیں شام زلف عنبریں
نبض چٹکاتی ہے تن میں غنچہ ہائے ماوطیں
سانس چنتی ہے قبائے آرزو کی آستیں

ایک نعمت ہے چہکتی چہچہاتی زندگی
پھولتی پھلتی پھبکتی لہلہاتی زندگی

قعر سے تا سطح قلزم پرفشاں ہے زندگی
خار میں حرف خفی گل میں اذاں ہے زندگی
برگ پر شبنم فضا پر کہکشاں ہے زندگی
داستاں درداستاں درد استاں ہے زندگی

فرش سے تا عرش زلف ناز بکھرائے ہوئے
فتح سیاروثوابت کی قسم کھائے ہوئے

زندگی باگیسری سارنگ دیپک سوہنی
بت تراشی رقص موسیقی خطابت شاعری
پنکھڑی تتلی صنوبر دوب نسریں چاندنی
لاجوردی شربتی دھانی گلابی چمپئی

زعفرانی آسمانی ارغوانی زندگی
لاجونتی مدھ بھری کومل سہانی زندگی

سحر خو عیسیٰ نفس معجز ادا جادو کلام
بادہ رنگ و مہ وش وبستاں لب و کوثر خرام
شیشہ بزم و سنگ عزم و لالہ سقف و ماہ بام
قند حرف و گل مزاج و سرو طبع و مے قوام

زندگی سعی بلیغ ارتقاء کا ناز ہے
آب و آتش کی کرامت خاک کا اعجاز ہے

زندگی جام و صراحی مرغ زار و نسترن
اک سجاوٹ اک گھلاوٹ اک لگاوٹ اک پھبن
رقص طاؤس و جمال صبح و رنگ ناردن
گل نفس گل چہرہ گل خو گل جبیں گل پیرہن

رقص ابر و نغمۂ آب رواں ہے زندگی
خاک بے آواز کے منہ میں زباں ہے زندگی

گنگ اشاروں کو صدا کی گود میں پالے ہوئے
نطق سے حبسِ تکلم کی بلا ٹالے ہوئے
مضطرب انفاس کو الفاظ میں ڈھالے ہوئے
رشتۂ باد پر افشاں میں گرہ ڈالے ہوئے

لعل جوہر آفریں و کلک گوہر بار ہے
زندگی طنبورۂ افکار کی جھنکار ہے

ہر نفس موتی پروتی پھول برساتی ہوئی
خیمۂ زر بفت میں پازیب جھنکاتی ہوئی
مرکیاں لیتی ٹھمکتی ناچتی گاتی ہوئی
دوڑتی بڑھتی ہمکتی جھومتی چھاتی ہوئی

اک سنہری تان کی زنجیر بل کھائی ہوئی
ایک انگڑائی دھنک کے پل پہ لہرائی ہوئی

سر پہ سہرا بر میں جوڑا بات میں قند و نبات
چال میں گنگا کی لہریں زلف میں برکھا کی رات
سانس میں بوئے سمن لہجے میں عود و سومنات
زندگی رنگوں کے سائے سے گزرتی اک برات

انکھڑیوں میں رت جگوں کی راگنی گھولے ہوئے
بال بکھرائے ہوئے بند قبا کھولے ہوئے

زندگی یوسف زلیخا قیس و لیلیٰ نل دمن
عید کا دن چودھویں کی رات چوتھی کی دلہن
اک کھنکتی لب کشائی ایک چبھتا بانکپن
رنگ ساگر راگ مندر روپ مالا پھول بن

جس کی قرنوں حجلۂ قدرت میں رکھوائی ہوئی
بدلیوں کی رسمساتی چھاؤں کی پالی ہوئی

زندگی مرتے ہوئے پتوں پہ بوندوں کی کھنک
صبح سرما کی کرن شام بہاراں کی دھنک
بول تتلی کی اڑان آواز کوندے کی لپک
کوکتی برکھا میں سارنگی کے تاروں کی لچک

شہرتن میں پھول والوں کی گلی ہے زندگی
گردنِ آفاق میں چمپا کلی ہے زندگی

زندگی فرماں روائے کشور دنیا و دیں
موجد حرف خداوُرحمۃ اللعالمین
نوع انساں کے لئے اے محرمان دور بیں
موت سے بڑھ کر کوئی شے قابل نفرت نہیں

زندگی تکریم ہے توقیر ہے تمکین ہے
موت شاہ ارض کی سب سے بڑی توہین ہے

موت اندھیاری گھٹاٹوپ آبنوسی تیرہ فام
بے رکوع و بے سجود و بے قعود و بے قیام
مضمحل سن منجمد یخ بستہ شل افسردہ خام
بے حرارت بے حکایت بے بصارت بے خرام

اس کے پتھریلے کلیجے میں کسک ہوتی نہیں
اس کے دیدوں میں مروت کی چمک ہوتی نہیں

موت صحرا دشت ریگستان بن بیہڑ سراب
بیخودی وحشت شقاوت قاہری دہشت عذاب
خوف از خود رفتگی بیگانگی غیبت حجاب
ایک حسرت خیز غفلت ایک عبرتناک خواب

ایک ڈائن زندگی کی سمت منہ کھولے ہوئے
آستیں اُلٹے ہوئے تیغ دو دم تولے ہوئے

موت خاموشی اداسی بے نوائی بے حسی
موت سناٹا اندھیرا بے شعوری برہمی
موت تاریکی تباہی تیرگی ترسندگی
موت آہوں کی خطابت آنسوؤں کی شاعری

شیرافگن بازوؤں کو بے سکت کرتی ہے موت
ماتمی ہاتوں کی ضربت پر زنت کرتی ہے موت

نام زشت موت سے اٹھتا ہے سینوں سے دھواں
فرق ہستی پر کڑک اٹھتی ہے دہشت کی کماں
دل پہ رکھ دیتا ہے خوف مرگ وہ بارگراں
بولنے لگتی ہیں سبھی زندگی کی ہڈیاں

کوئی نرم آواز کوئی داستاں بھاتی نہیں
موت یاد آجائے تو راتوں کو نیند آتی نہیں

پتھروں پر کس قدر شیشے گرا دیتی ہے موت
کنج شب میں کتنی صبحوں کو سلا دیتی ہے موت
کتنی کوکھوں کتنی گودوں کو جلا دیتی ہے موت
کتنے سہروں کتنی سیجوں کو دغا دیتی ہے موت

کتنی چاہوں کس قدر بانہوں کو مرجھاتی ہے موت
کتنی دکھتی کرٹوں پر رقص فرماتی ہے موت

لیکن اس کے باوجود اے محرمانِ این و آں
سخت حیراں ہوں کہ تھا وہ کون دانائے زماں
موت کو جس نے دیا نام حیات جاوداں
اس قدر پر ہول بیہڑ کو بنایا گلستاں

زہر کو کس نے حریف آب حیواں کر دیا
اس اپی تلوار کو کس نے رگ جاں کر دیا

نوع انساں کو دیا کس فلسفی نے یہ پیام
مرد غازی کا کفن ہے خلعت عمر دوام
نصب کس نے کردیئے مقتل میں حوروں کے خیام
جانتے ہو اس دبیر ذہن انسانی کا نام

جو انوکھی فکر تھا جو اک نیا پیغام تھا
اس حکیم نکتہ پرور کا محمدؐ نام تھا

اے محمد اے سوار توسن وقت رواں
اے محمد اے طبیب فطرت نباض جاں
اے محمد اے فقیہ نفس ونقاد جہاں
موت کو تو نے وہ بخشی آب و تاب جاوداں

زندگانی کے پجاری موت پر مرنے لگے
لوگ پیغام اجل کی آرزو کرنے لگے

زیست کا عکس شہادت سے نکھرتا ہے جمال
موت کے گھونگھٹ میں ہے روئے بتان لازوال
خون کے طاقوں میں ہے قندیل وجہ ذوالجلال
ذہن انسانی کو بخشا صرف تو نے یہ خیال

اہرمن پر دہشت یزداں کو طاری کر دیا
ایک اک انسان کو لاکھوں پہ بھاری کر دیا

خلق کو تو نے تمنائے شہادت بخش دی
اس تمنائے شہادت نے شجاعت بخش دی
پھر شجاعت نے چھلکنے کی حرارت بخش دی
اس حرارت نے گداؤں کو حکومت بخش دی

اس قدر عجلت سے تو روئے زمیں پر چھا گیا
مدعی چکرا گئے تاریخ کو غش آ گیا

بھول کر گہوارۂ غم میں بھبکتا ہے سرور
تیرگی کی سرمئی محراب میں ہے شمع طور
شام رنگین لحد ہے صبح قرآن و زبور
موت ہے نور و قصور و حور وانگور و طہور
یہ عقائد ہوں تو پھر مرنے سے ڈر سکتا ہے کون
موت کے شیدائیوں کو زیر کر سکتا ہے کون

سب سے پہلے دہر کو تو نے ہی سمجھائی یہ بات
طاق ایوان شہادت میں ہے قندیل حیات
سر فروشی ہے متاع زندگانی کی زکوٰۃ
موج کوثر کی سخا کا پیک ہے نخل فرات
عرش اتر آتا ہے فرش گرم گیرودار پر
رقص کرتی ہے دوامی زندگی تلوار پر

آتش سوزاں کو تو نے آب زم زم کر دیا
وحشیوں کو حامل تہذیب محکم کر دیا
خاک کو نسریں بنایا جام کو جم کر دیا
سرخ شعلوں کو نچوڑا موجۂ یم کر دیا
کشتیاں چلوائیں طوفاں سے ترے فرمان نے
موت بوئی زندگی کاٹی ترے قرآن نے

موت کی ظلمت میں تو نے جگمگا دی زندگی
جوہر شمشیر عریاں میں دکھا دی زندگی
شمع کے مانند قبروں میں جلا دی زندگی
سرزمین مرگ میں تو نے اگا دی زندگی
حبس ٹوٹا باغ جنت کی ہوا آنے لگی
مقبروں سے دل دھڑکنے کی صدا آنے لگی

خاک کے ذرات کو تو نے ثریا کر دیا
آگ کو پانی کیا پانی کو صہبا کر دیا
موت سی کالی بلا کو رشک سلمیٰ کر دیا
آخری ہچکی کو گل بانگ مسیحا کر دیا
سر سے خوف نیستی کی یوں بلائیں ٹال دیں
آدمی نے موت کی گردن میں باہیں ڈال دیں

یہ تصور موت کا جیسے ہی سوئے کربلا
وقت دوں پرور کے تاریخی تقاضے سے مڑا
خون میں تیرے گھرانے کے تلاطم آ گیا
لشکر صبح فروزاں شام کی جانب چلا
دفعتاً قصر جفا مسمار ہو کر رہ گیا
رعب شاہی نقش بر دیوار ہو کر رہ گیا

اے محمد موت وہ تیرے نواسے کو ملی
آج تک جس سے درخشاں ہے ضمیر آدمی
اللہ اللہ روشنی تیرے چراغ ذہن کی
کربلا کی دھوپ پر چھٹکی ہے اب تک چاندنی

یہ انی پر سر نہیں تیرے انا کا تاج ہے
کربلا تیرے نظامِ فکر کی معراج ہے

آشنا بحرِ صداقت کا حسین ابن علی
مدرسہ درس شہادت کا حسین ابن علی
معجزہ فکری نجابت کا حسین ابن علی
حوصلہ تیری نبوت کا حسین ابن علی

جس نے بجھنے دی نہ شمع آدمیت وہ حسین
سانس جسکے دم سے لیتی ہے مشیت وہ حسین

اخذ کرتا ہے جو غم سے شادمانی وہ حسین
جس کی اب تک ہے دلوں پر حکمرانی وہ حسین
موت بھی جس کی نگاہوں میں سہانی وہ حسین
تشنگی سے پی تھی جس نے زندگانی وہ حسین

سرخ انگاروں کو جس نے خاک کر کے رکھ دیا
جس نے دامان حکومت چاک کر کے رکھ دیا

طرۂ طرف کلاہ عزم و ہمت ہے حسین
سورۂ اخلاص وقرآن صداقت ہے حسین
منبر تصدیق و تکمیل رسالت ہے حسین
پشت ذوق مرگ پر مہر نبوت ہے حسین

اے مرے پروردگار آدمیت السلام
السلام اے داور یوم شہادت السلام

ہن برستا ہے شہادت کا ترے کردار سے
فکر میں صحت ہے تیرے عابد بیمار سے
ہاں وہ جنت سیر ہے جو سبزہ و انہار سے
مانگتی ہے بھیک تیرے سایۂ دیوار سے

اے خطیب اوج فاراں کے نواسے اسلام
اے مرے تسنیم در آغوش پیاسے السلام

موت کو تونے بہار کامرانی بخش دی
خاک کو اکسیر پیری کو جوانی بخش دی
ہمت انساں کو دجلے کی روانی بخش دی
برف کو لو اوس کو آتش فشانی بخش دی

التہاب تشنگی کو موج زم زم کردیا
آنچ کو ایسا بنا دامانِ مریم کردیا

امتزاجِ شادی وشیون ہے تیری داستاں
جسم پر خونی کفن ہے فتح کا سر پر نشاں
اک طرف تیرا گلا ہے اور خنجر بے اماں
اک طرف تیری رگِ جاں خنجروں پر ہے رواں

اک طرف موجِ ترحم اک طرف ماتم ہے تو
اک نرالا نغمہ و فریاد کا سنگم ہے تو

تو نے خود بجھ کر جلائے ہیں جو ذہنوں میں چراغ
دل ہے غرقِ آہ وشیون شاد و نازاں ہے دماغ
اس طرف جھلسے ہوئے خیمے ادھر شاداب باغ
اک طرف نصرت کے موتی اک طرف سینوں کے داغ

اک نرالا ربطِ گل بانگ وفغاں ہے اے حسین
جھٹپٹے میں اک دھندلکا پر فشاں ہے اے حسین

دل میں تیری یاد ہے شام وسحر کے درمیاں
زمزموں کے ہیں سفینے ہچکیوں کے درمیاں
لب پہ نغموں کی دمک ہے آنکھ سے آنسو رواں
فصلِ گل کی دھوپ ہے پڑتی ہیں جیسے بوندیاں

تجھ پہ بے روئے نہیں اٹھتے کسی محفل سے ہم
کیا کریں مجبور ہو جاتے ہیں اپنے دل سے ہم

ہم سے یہ کہتی ہے تیری کامرانی اے حسین
کامرانی ہے محلِ شادمانی اے حسین
شادمانی ہے متاعِ زندگانی اے حسین
آنسوؤں کی پھر بھی ہوتی ہے روانی اے حسین

زمزموں کو چشمِ گریاں میں ڈبو دیتا ہے دل
جب ہنسی ہونٹوں پہ آئی ہے تو رو دیتا ہے دل

دارو گیرِ کربلا پر اے شہیدِ محترم
عقل نازاں ہے مگر جذبات کی آنکھیں ہیں نم
چونکہ تیرے جذبۂ نصرت میں ہے آہنگِ غم
اس لئے آنسو چڑھاتے ہیں تری بالیں پہ ہم

دل کا یہ فرمان ہے لغزش نہ آئے پاؤں میں
جشنِ فتحِ کربلا ہو آنسوؤں کی چھاؤں میں

لیکن آنسو وہ جو برسائیں شرارِ زندگی
جس سے ٹپکے گوہرِ عز و وقارِ زندگی
جس کے قبضے میں ہو تیغِ آب دارِ زندگی
جن کی رنگینی میں کروٹ لے بہارِ زندگی

جو گریں شادابیٔ اہلِ جہاں کے واسطے
گھن جو بن جائیں غرورِ خسرواں کے واسطے

ہاں وہ آنسو جن میں غلطاں ہو خروشِ خوفِ حق
جن کے گرنے کی صدا میں ہو شہادت کا سبق
جن کے آگے رنگ ہو نا زجہاں بانی کا فق
جن کی آب و تاب میں تاریخ کے جھلکیں ورق

جن میں جوہر پرفشاں ہوں تیشۂ فرہاد کے
غرق کر دیں جو سفینے بحرِ استبداد کے

سوگواری کا مزاج اب ہے رفیقانِ کبار
رخ پہ تابِ عزم ہو آنکھوں میں آبِ ذوالفقار
ہم عناں ہوں طبل و جنگ و نالۂ بے اختیار
دل میں حرمانِ خزاں ہو سر میں سودائے بہار

بات جب ہے غم ابھارے جذبۂ پیکار پر
ایک دل پر ہاتھ ہو اک ہاتھ ہو تلوار پر

جب حکومت قصر ہائے معدلت ڈھانے لگے
جب غرورِ اقتدار اقدار پر چھانے لگے
خسروی آئین پر جب آگ برسانے لگے
جب حقوقِ نوعِ انسانی پہ آنچ آنے لگے

رن میں در آ بازوئے خیبر شکن سے کام لے
ان مواقع پر حسینی بانکپن سے کام لے

کس طرف جانا ہے تجھ کو سوچ اے مردِ خدا
اک طرف زہرِ فنا ہے اک طرف نہرِ بقا
یا پہن لے تاجِ کردارِ شہیدِ کربلا
یا محیطِ کشورِ باطل میں جا کر ڈوب جا

یا عنانِ ذہنِ عالم جانبِ حق موڑ دے
یا حسین ابنِ علی کا نام لینا چھوڑ دے

یہ متاعِ چشمِ نم یہ دولتِ قلبِ دونیم
ہیچ ہے انساں اگر ڈھونڈے نہ راہِ مستقیم
مان ہی سکتی نہیں اس بات کو عقلِ سلیم
صرف ماتم ہو مآلِ مقصدِ ذبحِ عظیم

خونِ باطل ہے تب و تابِ حسامِ کربلا
آنسوؤں سے ہے بہت اونچا مقامِ کربلا

کربلا کا سید لشکر جلالِ مصطفےٰ
کربلا کا اکبرِ مہ رو جمالِ مصطفےٰ
کربلا کی گود کا اصغر ہلالِ مصطفےٰ
کربلا کا رنگ بستاں خونِ آلِ مصطفےٰ

ہمتِ نوعِ بشر کی انتہا ہے کربلا
تو سمجھتا ہے فقط ماتم سرا ہے کربلا

آسمانِ زندگی پر کہکشاں ہے کربلا
فرقِ استبداد پر گرزِ گراں ہے کربلا
حفظِ ناموسِ بشر کی پاسباں ہے کربلا
خون کے دھارے پہ مبنی داستاں ہے کربلا
کربلا کی خاک میں اشکوں کی طغیانی بھی ہے
کربلا کی آگ میں تلوار کا پانی بھی ہے

گریہ فطری امر ہے جی بھر کے رو اور بار بار
ماتمِ شبیر میں روتا ہوں میں بھی زار زار
میں تو کیا اس غم سے جنبش میں ہے قلبِ روزگار
غور فرما لیکن اس نکتے پہ بھی اے سوگوار
غم نہیں ہے طرۂ طرفِ کلاہ کربلا
سورما کی موت ہے میراث شاہ کربلا

کون اس میراث کی جانب اٹھاتا ہے قدم
کس کو سونپا جائے عباس دلاور کا علم
کون کھاتا ہے شعار نصرت حق کی قسم
کون یہ کہتا ہوا صف سے ابھرتا ہے کہ ہم
صفحۂ تاریخ پر حرفِ جلی بنتا ہے کون
وارثِ جنس حسین ابن علی بنتا ہے کون

نسلِ آدم سے یہ اب تک کہہ رہی ہے کربلا
اے ستم کش تیرا فطری حق ہے فریاد و بکا
لیکن اس گرداب شیون میں نہ اتنا ڈوب جا
فوت ہو جائے شہید کربلا کا مدعا
حق کا باطل پر تفوق آدمی کا فرض ہے
خون صبر کربلا نوعِ بشر پر قرض ہے

قرض یہ اترے تو فخر آدمی آگے بڑھے
چاکری پیچھے ہٹے تو سروری آگے بڑھے
ظلمتیں گم ہوں تو سیل روشنی آگے بڑھے
موت کو ٹوکیں تو کارِ زندگی آگے بڑھے
تار کھنچ جائیں تو پیدا صف شکن جھنکار ہو
قرض کا دریا اتر جائے تو بیڑا پار ہو

آدمی کا ہر قدم ہے درمیان گیر و دار
زندگی کا ہر نفس ہے اک مسلسل کارزار
کیا تجھے حاصل ہے اے مرد حزیں وسوگوار
خون برحق طبع طوفان و مزاج ذوالفقار
باندھ کر سر سے کفن گھر سے نکل سکتا ہے تو
ہاں آپی تلوار کی برش پہ چل سکتا ہے تو

اے برادر عقل حق پرور میں اور اتنا خلل
ہو چکا ہے ایک مدت سے ترا کردار شل
الاماں اضداد کا یہ اجتماع بے محل
دعوئ حبّ حسین اور بیعتِ دیو اجل
کیا غضب ہے دن کی چھاتی پر اندھیری رات ہے
مومن اور خوف اجل منہ پیٹنے کی بات ہے

سانس لینے کو نہیں کہتے ہیں دانا زندگی
ہر نفس اک طرح نو کی ہے تمنا زندگی
ہر قدم تسخیر قدرت کا ہے سودا زندگی
خون میں ہے ارتقا کا شور و غوغا زندگی
سرد ہے جس کا لہو وہ آدمی بے جان ہے
بے دلوں پر زندگی دراصل اک بہتان ہے

اہل نخوت ہیں سوار ابلق لیل و نہار
اور تو فقدان جرأت سے مجسم انکسار
تیری آنکھوں میں نہیں رقصاں بغاوت کے شرار
سر ہے تیرا اور پائے صاحبان اقتدار
قوت باطل پہ جو انسان چھا سکتا نہیں
حشر میں وہ مصطفےٰ کو منہ دکھا سکتا نہیں

دل جراحت سے اگر بھاگے تو راحت کفر ہے
غم سے اکتائے طبیعت تو مسرت کفر ہے
تخت پر قابض ہو جابر تو اطاعت کفر ہے
جو شہادت سے ڈرے اس کی عبادت کفر ہے
دامن صد پارۂ غیرت کو سی سکتا نہیں
موت سے جو منہ چھپاتا ہے وہ جی سکتا نہیں

اے حسین اے غیرت حق کے امین ذی وقار
اے دیارِ حرمت انساں کے واحد شہریار
اے بہ منبر نور یزداں اے بہ میداں ذوالفقار
ہاں پکار اپنے محبوں کو سر میداں پکار
نیند کے روندے ہوئے غفلت شعاروں کو جھنجھوڑ
ہو چکی ہے صبح اپنے سوگواروں کو جھنجھوڑ

پھر تمدن کی طرف پھنکار کر جھپٹے ہیں ناگ
جل رہا ہے پھر عروس زندگانی کا سہاگ
کانپتی راتیں صدائیں دے رہی ہیں آگ آگ
جاگ اے ابن علی کے نوحہ خوان خفتہ جاگ
اٹھ بھڑکتی آگ کو پانی بنانے کے لئے
کربلا آئی ہے بالیں پر جگانے کے لئے

اے برادر تجھ کو اکبر کی جوانی کی قسم
جو ہوا تھا بند اس مقتل کے پانی کی قسم
ناتواں عابد کی بیڑی کی گرانی کی قسم
زینب خوددار کی آتش بیانی کی قسم

غرق کر دے ہچکیاں مردانگی کے راگ میں
کود پڑ نمرودِ حاضر کی بھڑکتی آگ میں

آج پھر دنیا میں ہے انسان کی مٹی پلید
ڈاکوؤں کی جیب میں ہے عصر حاضر کی کلید
ہاں یہ جذبات جہاں سوز و یہ ضربات شدید
آج پھر بیعت طلب ہیں عصر حاضر کے یزید

فوج باطل شاد ہے سیراب ہے خورسند ہے
ہاں پھر اہل حق پہ سنتے ہیں کہ پانی بند ہے

وقت ہے عباس کے مانند پھر دریا پہ جا
ہاتھ کٹ جائیں اگر تو مشک دانتوں میں دبا
اشقیا چیں برجبیں ہیں آستیوں کو چڑھا
اپنی شمعوں کی لوؤں پر آندھیوں کو تو نچا

دہر کی ٹھنڈی رگوں کو خون سوز و ساز دے
مرد اگر ہے تو مری آواز پر آواز دے

دہر کو گھیرے ہوئے ہے شورِ طبل و برق و باد
گھر میں برپا ہے تلاطم در پہ ہے ابن زیاد
فوج میری سو رہی ہے اور سر پر ہے جہاد
کس طرف یارب نکل جائے یہ عبدِ نامراد

الاماں حدّ نظر تک ہے سیاہی کیا کروں
کوئی سنتا ہی نہیں میری الٰہی کیا کروں

داورا ہلچل ہے پھر برپا میان مشرقین
ہر نظر ہے ایک ماتم ہر نفس ہے ایک بین
تخت پر سرمایہ داری ہے بصد اجلال و زین
اور ٹس سے مس نہیں ہوتے محبان حسین

ہے یہی ایمان تو ایمان کو میرا سلام
اک فقط ایمان کیا قرآن کو میرا سلام

کبریا پروردگارا کردگارا داورا
کب سے میری قوم گہری نیند میں ہے مبتلا
کب سے پامال تفیر خواب ہے میری صدا
نیند آنکھوں کی اڑا دے جوت سینوں کی جگا

یا لگا دے سینۂ مومن میں باغ زندگی
یا بجھا دے اے خدا میرا چراغ زندگی

پانی

ہاں اے صباحِ طبع شبِ تار سے نکل
اے فکر سوئے آبِ خضر گنگنا کے چل
اے کلکِ نغمہ بار برستی گھٹا میں ڈھل
اے چشمۂ تخیلِ برگ آفریں ابل
جس میں ہو رقص و رنگ و روانی کی داستاں
اے دل کی آگ چھیڑ وہ پانی کی داستاں

پانی خوش اضطراب و خوش انداز و خوش جمال
خوش آب و خوش خرام و خوش آواز و خوش مقال
شیریں قوام و شیشہ مزاج و گہر خصال
سرشاری و شگفتگی و رقص و جد و حال
سرمایہ آب و رنگ کی تانیں لئے ہوئے
لاکھوں ہر ایک بوند میں جانیں لئے ہوئے

پانی چناب و راوی و گنگا و رودِ نیل
جوئے حیات و کوثر و تسنیم و سلسبیل
رقاص بے نظیر و غزل خوان بے عدیل
موج ہوا پہ ہمسر گلبانگ جبرئیل
دست خنک میں ساغرِ زم زم لئے ہوئے
کلیوں کی خواب گاہ میں شبنم لئے ہوئے

بہتی ہوئی ندی کی روانی کا جل ترنگ
متوالیوں کے دل کی گرجتی ہوئی امنگ
سبزے کی لہر پھول کی خوشبو دھنک کا رنگ
آہنگ میں بھرے ہوئے مدھ ماتیوں کے انگ
اور یہ جو عود و چنگ میں برکھا کی رات ہے
ان سب کی باگ ڈور بھی پانی کے ہات ہے

پانی ہزار روپ سے ہوتا ہے منجلی
شبنم بہار گونج گرج راگنی جھڑی
بالی درخت دوب ثمر برگ خس کلی
کونپل شگوفہ کاہ کلی پھول پنکھڑی
کرتا ہے نصب موج پہ خیمے حباب کے
بھرتا ہے وقت صبح کٹورے گلاب کے

پانی بخار بھاپ گھٹا جھلملی دھواں
سنبل بنفشہ لالہ سمن سرو نیستاں
شاداب و نرم و نازک و سرشار و شادماں
بستان و سبزہ زار و خیابان و گلستاں
آنچل رخِ صبیح پہ آبی لئے ہوئے
کاندھوں پہ زندگی کی گلابی لئے ہوئے

جولاں رقیق سرد سبک سیر نغمہ خواں
مستی فروغ زمزمہ انگیز درفشاں
وادی میں آبشار صراحی میں گلستاں
رقصاں جواں جہندہ و جولاں رواں دواں
ہیجان و اضطراب و تلاطم لئے ہوئے
گونگی زمیں پہ نغمۂ قلزم لئے ہوئے

پانی فروغ ولولۂ دجلہ و فرات
آہنگ و ارتقاء و نشید تغیرات
سلطان ہفت قلزم و دارائے ششجہات
تخم وجود وجہ نمو طاقت حیات
جادو جگائے گیسوئے عنبر سرشت کے
کھولے ہوئے زمین پہ غرفے بہشت کے

ہلچل کے بے شمار بکھیڑے لئے ہوئے
چھل بل کی شوخیوں مین تھپیڑے لئے ہوئے
پرہول مدو جزر میں بیڑے لئے ہوئے
شاداب گھاٹیوں میں دریڑے لئے ہوئے
جھلمل فضامیں بال پریشاں کئے ہوئے
بوچھار کی رقیق ولائی سے ہوئے

ماوائے تازہ کاری وملجائے شست وشو
دولت سرائے زمزمہ وجنت وسبو
جولاں گہہ شگفتگی و چشمۂ نمو
پروردگار جودت و خلاقِ رنگ وبو
ہر بلبلے میں تارمقرنس لئے ہوئے
پنگھٹ پہ ناز صبح بنارس لئے ہوئے

پانی متاع کیف ہے سرمایۂ سبو
چہروں پہ ضو رگوں میں تھرکتا ہوا لہو
پیر مغاں کی بزم میں فرمان ہاؤ ہو
کچے پھلوں میں شہد ہے پھولوں میں رنگ وبو
سینے میں روح سنبل وسوسن لئے ہوئے
چٹکی میں باد صبح کا دامن لئے ہوئے

نے چھیڑتا جوان ترنگیں ابھارتا
رندوں کو سوئے ساغر و مینا پکارتا
مڑتا لرزتا گونجتا تپتا گبھارتا
چنگھاڑتا دھاڑتا گاتا ڈکارتا
جھنکائے پائے ناز میں چھاگل بہار کی
بدھی گلوئے نرم میں آڑی گبھار کی

آلام تشنگی کا گریباں سیئے ہوئے
مکھڑوں کو رشک صبح بہاراں کئے ہوئے
جھونکوں میں شاخ گل کو سہارا دئے ہوئے
خوابیدہ انکھڑیوں میں گھٹائیں لئے ہوئے
لے میں پروئے شوروشغب آبشار کے
خیمے اٹھائے دوش خنک پر بہار کے

دامن میں آب گوہر و مرجاں لئے ہوئے
جام رواں میں قطرہ نیساں لئے ہوئے
موج دواں میں عشوۂ ترکاں لئے ہوئے
کالی گھٹامیں زلف نگاراں لئے ہوئے
کولھوں پہ ہاتھ طرفہ ادا سے دھرے ہوئے
پھولوں سے مرغ زار کی جھولی بھرے ہوئے

پانی کا لوچ ابر کی رو موتیوں کی آب
مٹی کی جان گل کی مہک بحر کا جواب
ساغر کی آگ تیغ کا پانی سمن کی داب
کڑکے تو موج صاعقہ کھنچ جائے تو شراب

پروا میں ابر تیرہ کے لکّے بنے ہوئے
لیلائے برشگال کی چندری چنے ہوئے

بھونروں کی گونج نہر کی سیال راگنی
پی ہو کی دھوم گونجتی سرشار دلکشی
شوریدگی و شوخی و شنگی و شاعری
رنگینی و روانی و رقص و ربودگی

کوئل کی کوک بور کی خوشبو لئے ہوئے
مدرا پیالہ زمزمہ دارو لئے ہوئے

ٹپ ٹپ شرر شرار تڑاتڑ چھنن چھنن
دھمال دھوم دھام دمادم دھنن دھنن
گم کاؤ روم جھوم جھما جھم جھنن جھنن
گھن گھن گرج گھماؤ گھما گھم گھنن گھنن

ہول و ہراس و ہیبت و ہیجاں لئے ہوئے
بجلی کی تیغ نوح کا طوفاں لئے ہوئے

خست کرے تو قحط سے عالم ہو بے قرار
گرم سخا اگر ہو تو رزاق روزگار
دوڑے تو ساز نور جو بھاگے تو سوز نار
کڑکے تو برق ریز جو ٹھہرے تو برق وبار

ٹپکائے بوندیاں تو چمن بولنے لگے
پتھر اؤ پر جو آئے تو رن بولنے لگے

روپوش ہو تو دھوپ جمادے زمین پر
بگڑے تو فرش گرم بچھادے زمین پر
تیّا کرے تو آنچ بسا دے زمین پر
منہ پھیر لے تو بھوک اگا دے زمین پر

خوش ہو تو سر کو قشقہ کلائی کو بانک دے
لعل و گہر زمین کی چولی میں ٹانک دے

آئے جو موج میں تو اڑیں بوتلوں کے کاگ
افسردہ ہو تو کھیت میں رینگیں مہیب ناگ
چھیڑے جو آسمان پہ دریا دلی کا راگ
چولھوں کی سمت دوڑ پڑے گنگنا کے آگ

گرجے فقط تو کفر سے ڈسوائے دین کو
برسے تو تخت زر پہ بٹھا دے زمین کو

جھکے فراز پر تو گھٹا جھومنے لگے
مچلے نشیب میں تو فضا جھومنے لگے
چہکے تو کجریوں کی صدا جھومنے لگے
ناچے تو روح ارض وسما جھومنے لگے
کروٹ صبا میں لے تو چمیلی مہک اٹھے
پس جائے تو بتوں کی ہتھیلی مہک اٹھے

مثل بخار اڑے تو گھٹائیں ہوں نغمہ گر
خم سے ابل پڑے تو بہک جائیں بام ودر
امنڈے تو رنگ ورقص ہوں گنگا کے گھاٹ پر
چھلکے جو گاگروں سے گھٹائیں ہوں تربتر
نہلائے الھڑوں کو تو پنڈے بکس پڑیں
ٹپکے جو گیسوؤں سے تو موتی برس پڑیں

بادل کی چادروں میں جو الجھے تو کتھئی
کرنوں کی زد پر آکے جو دمکے تو چمپئی
موجوں کے مد وجزر سے ابھرے تو سرمئی
لکوں کی ظلمتوں میں جو ڈوبے تو اگرئی
گرجے جو ابر میں تو فلک چہچہا اٹھے
انگڑائی لے تو سر پہ دھنک چہچہا اٹھے

برسے جو ٹوٹ کر تو جہاں ناچنے لگے
عشرت سرائے بادہ کشاں ناچنے لگے
قلقل کی رو میں بانگ اذاں ناچنے لگے
شمعوں کی لو اگر کا دھواں ناچنے لگے
بوچھار میں جو بند قبا کھولنے لگے
مکھڑوں پہ رنگ ماہ وشاں بولنے لگے

برکھا کا راگ گائے تو ساغر چھلک اٹھیں
چہکے جو دھوم سے تو خمستاں لہک اٹھیں
رس بوندیاں گرائے تو پتے کھنک اٹھیں
کوثر میں گنگنائے تو حوریں تھرک اٹھیں
پہونچے جو عرش پر تو ملک شست شو کریں
زلفیں نچوڑ دے تو پیمبر وضو کریں

صد حیف کربلا میں وہی آب خوش گوار
جس پر حیات نوع بشر کا ہے انحصار
جس کے بغیر آتش سوزاں ہے روزگار
بجتا ہے جس کے تار پہ انفاس کا ستار
جس کا علم ہے بارگہہ مشرقین پر
اہل جفا نے بند کیا تھا حسین پر

اس حادثے پہ آج بھی گریاں ہیں بحروبر
اللہ یہ تلاطم پرہول جوئے شر
یہ کفر الحفیظ یہ عدوان الحذر
پانی سی چیز بند ہو وہ بھی حسین پر

مولا کسی پہ کوئی نہ ایسی جفا کرے
کافر پہ بھی نہ بند ہو پانی خدا کرے

میدانِ کربلا کا وہ پر ہول التہاب
برسا رہا تھا آگ جہاں سوز آفتاب
خیموں میں جل رہا تھا گلستان بوتراب
دریا تھا انتہائے خجالت سے آب آب

موجوں پہ تشنگی تھی تسلط کئے ہوئے
ہر قطرۂ فرات تھا آنسو پئے ہوئے

شعلوں پہ فرش گرم شراروں پہ سائبان
دوش ہوا پہ ابر اٹھائے ہوئے نشان
چہروں پہ گرد سر پہ کمانیں دلوں میں بان
سینوں میں لوجگر میں شعائیں لبوں پہ جان

پیش نظر حیات کی بستی لٹی ہوئی
زیر قدم زمین کی نبضیں چھٹی ہوئی

ذرات آبدیدہ تھے صحرا اداس تھا
گرداب اشک بار تھے دریا اداس تھا
فرش زمین و عرش معلیٰ اداس تھا
روئے مبین فاطمہ زہرا اداس تھا

گردوں کی بارِ غم سے کمر تھی جھکی ہوئی
گیتی کی سانس فرط الم سے رکی ہوئی

ذرات محو خواب فضا غرق شور وشین
تپتی ہوئی زمین پہ اکبر سا نور عین
اصغر کی سرد لاش پہ سیدانیوں کے بین
اے وائے بربادی ومظلومی حسین

خیمے کے درکو دیدۂ گریاں کئے ہوئے
زینب کھڑی تھیں بال پریشاں کئے ہوئے

سکتے میں تھے رسول ملائک تھے سوگوار
گردوں پہ مرتضیٰ و محمدؐ تھے اشک بار
ویران پالنے سے اداسی تھی آشکار
زہرا کی آرہی تھی یہ آواز بار بار

سن لے صدائیں بارِ خدا شور وشین کی
پروردگار خیر ہو میرے حسین کی

اے میرے لال اف یہ سماں ہائے کیا کروں
اک جان اور یہ بارگراں ہائے کیا کروں
تو اور دھوپ میں ہو تپاں ہائے کیا کروں
سینے سے اٹھ رہا ہے دھواں ہائے کیا کروں

ہے ہے کوئی نہیں جو سنبھالے حسین کو
یارب کسی جتن سے بچا لے حسین کو

گونجی ہوئی تھی عرش پہ زہرا کی یہ صدا
اور فرش تھا نمونۂ محشر بنا ہوا
حوا کھڑی تھیں سر سے اتارے ہوئے ردا
ٹکرا رہی تھی بار مشیت سے کربلا

ہر ذرہ قتل گاہ کا مائل تھا بین پہ
تاریخ کی نگاہ لگی تھی حسین پہ

ذروں پہ سو رہے تھے رفیقان تشنہ کام
ہونٹوں تک آرہا تھا شہادت کا تلخ جام
شعلوں کے بڑھ رہے تھے پرے جانب خیام
تنہا کھڑے تھے حلقۂ اشرار میں امام

پروا نہ دھوپ کی نہ کوئی فکر سائے کی
خیمے سے آرہی تھی صدا ہائے ہائے کی

لیکن بایں ہجوم ستم ہائے روزگار
مولا کے لب تھے عزم شہادت سے آبدار
رکھے خزاں کے دوش پہ سرمایۂ بہار
چہرے سے تاب وجہ ذوالاکرام آشکار

کوثر کی ہر نفس میں روانی لئے ہوئے
سیلاب روزگار کو پانی لئے ہوئے

پھر بھی یہ چاہتے تھے کہ برپا نہ ہو فساد
ارباب کلمہ گو سے نہ کرنا پڑے جہاد
دوہرا سکے نہ وقت مآل ثمود و عاد
خطبے کے ڈونگرے سے بجھے آتش عناد

گرتی ہوئی خلوص کی دیوار روک لیں
چلتی ہوئی زبان پہ تلوار روک لیں

لیکن ہوا ذرا بھی نہ حجت کا جب اثر
مائل ہوئے جہاد پہ سلطان بحر و بر
اٹھتی ہوئی نگاہ سے اڑنے لگے شرر
جھومے علی کی شان سے تلوار چوم کر

گویا گھٹا کی اوٹ سے بجلی نکل پڑی
ٹھہری زباں نیام سے تلوار ابل پڑی

شور رجز بلند ہوا دار ہو گیا
لہجے سے گرم خوف کا بازار ہو گیا
روز عروج شام شب تار ہو گیا
نکلا جو منہ سے حرف وہ تلوار ہو گیا
آخر فضا پہ ایک کٹاری ابھر گئی
کانوں سے کافروں کی کمر تک گزر گئی

مسکن جو تھے غرور کے وہ سر جھکا دیئے
ایوان خسروی کے پرنچے اڑا دیئے
لب تشنگی نے خون کے دریا بہا دیئے
پیاسے نے آب تیغ کے جوہر دکھا دیئے
برپا دیار کفر میں کہرام ہوگیا
دیو فساد لرزہ بر اندام ہوگیا

پل بھر میں ظالموں کے سفینے الٹ گئے
جو ہاتھ اٹھے حسین کی نظروں سے کٹ گئے
قوت پہ جن کو ناز بہت تھا وہ لٹ گئے
سوئے حرم جو تیر چلے تھے اچٹ گئے
اہل جفا کی موت کا فرمان آگیا
دشت بلا میں نوح کا طوفان آگیا

شیرازۂ کتاب حکومت بکھر گیا
سلطان کے غرور کا دریا اتر گیا
کردار تشنہ کام بڑا کام کر گیا
پانی سپاہ شام کے سر سے گزر گیا
حق کی نگاہ ضرب سے بے تاب ہو گئے
باطل کے پیروؤں کے جگر آب ہو گئے

اٹھی نگاہ چہرۂ باطل جھلس گیا
اک ناگ تھا کہ ہمت اعدا کو ڈس گیا
پاتال میں سفینۂ اہل ہوس گیا
پانی علیؑ کی تیغ کا چھاجوں برس گیا
تیور علی کے شیر کے جب برق ہو گئے
خود اپنے ہی لہو میں شقی غرق ہو گئے

سبط نبی کے عزم نے کڑکائی یوں کماں
لو دے اٹھا یقین دھواں بن گیا گماں
اللہ ری حرب وضرب امام زماں کی شاں
منہ سے نکل پڑی عمر سعد کی زباں
ندی غرور جاہ کی پایاب ہو گئی
فوج یزید ماہی بے آب ہو گئی

جب حلم کا فرشتہ غضبناک ہو گیا
پیاسوں کا خون شعلۂ بے باک ہو گیا
ایوان شر میں آگ لگی خاک ہو گیا
غم سے معاویہ کا جگر چاک ہو گیا
اہل دغا کی عمر کا پیمانہ بھر گیا
مردانیوں کی تیغ کا پانی اتر گیا

پل بھر میں سانس اہل جفا کی اکھڑ گئی
بیعت کے طمطراق کی صورت بگڑ گئی
دست خدا سے کسوت شاہی ادھڑ گئی
دربار پر بحکم قضا اوس پڑ گئی
حق نے رگِ سقیفہ کی چھل بل نکال دی
پائے بنی امیہ میں زنجیر ڈال دی

شاہی کا رنگ کاہکشانی نہیں رہا
دریائے شر میں شورِ روانی نہیں رہا
چتر و علم میں فرکیانی نہیں رہا
شمشیر تاجدار میں پانی نہیں رہا
ہیبت سے ناریوں کا لہو سرد ہو گیا
بیعت طلب یزید کا منہ زرد ہو گیا

اے کربلا کے ابر گہر بار السلام
اے ہادیوں کے قافلہ سالار السلام
اے کعبۂ سواد کے معمار السلام
اے جنس آبرو کے خریدار السلام
اے سورما دلیر جیالے تجھے سلام
اے فاطمہ کی گود کے پالے تجھے سلام

اے میرارض و صدر سادات السلام
اے بادشاہ کشور آیات السلام
اے میزبان لشکر آفات السلام
اے ناقد نہفتگیٔ ذات السلام
اے کج کلاہ مورث کونین السلام
اے وارثِ عبادتِ ثقلین السلام

اے مصحف حیات کی تفسیر السلام
اے مدعائے آیۂ تطہیر السلام
اے دست ذوالجلال کی شمشیر السلام
اے مصطفےٰ کے خواب کی تعبیر السلام
اے زندگی کے سوز نہانی سلام لے
کوثر بدوش تشنہ دہانی سلام لے

اے زخم قلب خیر کے مرہم تجھے سلام
اے ناصر پیمبر اعظم تجھے سلام
ہاں اے رسول دین محرم تجھے سلام
اے حجت شرافت آدم تجھے سلام
اے تاجدار ملک تحمل سلام لے
اے فخر کے عظیم تمول سلام لے

اے بوستان سایۂ دامان مصطفےٰ
اے مدو جزر چشمۂ ایوان مصطفےٰ
اے نور عین حیدر و اے جان مصطفےٰ
اے خوش جمال یوسف کنعان مصطفےٰ
اے تشنہ ابن ساقی کوثر سلام لے
آفاق کی زباں سے بہتر سلام لے

اے بے پناہ قوت اخلاق السلام
اے خلوتی داور اطلاق السلام
اے حق نگر شعور کے رزاق السلام
اے افتخار انفس وآفاق السلام
اے طرۂ کلاہ نبوت سلام لے
اے شاہ کشورِ ابدیت سلام لے

اے اقتدار صبر فراواں تجھے سلام
طوفاں شکار کشتیٔ عرفاں تجھے سلام
اے آبروئے چشمۂ حیواں تجھے سلام
اے کردگار عظمت انساں تجھے سلام
ہاں اے گلوئے موت کے خنجر سلام لے
اے پختگیٔ فکر پیمبر سلام لے

ہاں مرحمت ہو خاطر بیدار یا حسین
حرف غلط سے جرأت انکار یا حسین
تاب و توان عابد بیمار یا حسین
جھنکار ذوالفقار کی جھنکار یا حسین
ہاں سوئے جذبۂ حرکت باگ موڑ دے
ہاں توڑ دے جمود کی زنجیر توڑ دے

مولا ہجوم دردِ نہانی کا واسطہ
زینب کے عزم شعلہ بیانی کا واسطہ
اصغر کے سوزِ تشنہ دہانی کا واسطہ
اکبر کی تشنہ کام جوانی کا واسطہ
ہاں آج آنسوؤں سے شرارے نکال دے
ہاں آگ میں حیات کے پانی کو ڈال دے

ہاں اے حسین برق سوار و اجل نگار
سلطان کوہ تخت شکن قاہری شکار
کوثر نگاہ قصر شکن سلطنت فشار
عرش افتخار فرش فروغ انبیاء وقار

اے آفتاب تحفۂ شبنم قبول کر
ہاں سجدۂ جبین دو عالم قبول کر

اے ذوالفقار حیدر کرار السلام
اے جانشین احمد مختار السلام
اے بے نیاز اندک و بسیار السلام
اے محور ثوابت وسیار السلام

اے بے مثال پختگیٔ ہمت السلام
اے آدمی کے ناز الوہیت السلام

اے وجہ افتخار اب و جد سلام لے
اے کار ساز ابیض و اسود سلام لے
اے ذی حیات منبر و معبد سلام لے
اے عارف ضمیر محمدؐ سلام لے

ناموس انبیاء کے نگہبان السلام
اے رحل کائنات کے قرآن السلام

سلام

طبع میں کیا، تیغ بُراں میں روانی چاہیے
گل فشانی تا کجا، اب خوں فشانی چاہیے
بستۂ زنجیر تکوینی! خبر بھی ہے تجھے
مہر و مہ پر تجھکو عزم حکمرانی چاہیے
مرقد شہزادۂ اکبر سے آتی ہے صدا
حق پہ جو مٹ جائے، ایسی نوجوانی چاہیے
شاہ فرماتے ہیں "جالے جا خدا کے نام پر"
موت جب کہتی ہے اکبر کی جوانی چاہیے
سن کے جس کا نام نبضیں چھوٹ جائیں موت کی
دین کے سادات کو وہ زندگانی چاہیے
عمر فانی سے تو برگ کاہ تک ہے بہرہ مند
مرد کو ذوقِ حیاتِ جاودانی چاہیے
کون بڑھتا ہے لہو تھوڑا سا دینے کے لئے
اے عزیزو! دین کی کھیتی کو پانی چاہیے
جن کے سینوں میں ہو سوزِ تشنگانِ کربلا
ان جواں مردوں کی تلواروں میں پانی چاہیے
جوش! ذکر جرأت مولا پہ شیون کے عوض
رخ پہ شان فخر وناز کامرانی چاہیے

(۲)

کیا نماز شاہ تھی، ارکانِ ایمانی کے ساتھ
دل بھی جھک جاتا تھا ہر سجدے میں پیشانی کے ساتھ
حشر تک زندہ ہے تیرا نام اے ابنِ رسول!
کر چکا ہے تو وہ احساں، نوعِ انسانی کے ساتھ
ان کے آگے صولت دُنیا کا ذکر، او ابنِ سعد
کھیلتی ہے جن کی ٹھوکر تاجِ سلطانی کے ساتھ
غیرتِ حق کو کہیں دیکھو نہ آجائے جلال
ظالمو ہولی نہ کھیلو خونِ انسانی کے ساتھ
بادِ حق ہو کیا ہوا، اے اہرمن کے آندھیو!
کھیلنا آساں نہیں ہے شمعِ یزدانی کے ساتھ
ہمت معصوم کو فاسق سے کیا خوف و خطر
یہ سفینہ مضحکہ کرتا ہے طغیانی کے ساتھ
صرف رو لینے سے قوموں کے نہیں پھرتے ہیں دن
خوں فشانی بھی ہے لازم اشک افشانی کے ساتھ
آنکھ میں آنسو ہوں، سینوں میں شرارِ زندگی
موجۂ آتش بھی ہو، بہتے ہوئے پانی کے ساتھ
اہلِ بیتِ پاک کی ہر سانس کو اے مدعی!
ہاں ملا کر دیکھ لے آیاتِ قرآنی کے ساتھ
جوشؔ ہم ادنیٰ غلامانِ علی مرتضیٰ
تمکنت سے پیش آتے ہیں جہانبانی کے ساتھ

(۳)

تو نے حسین دہر کو ششدر بنادیا
طوفاں کو ناؤ سیل کو لنگر بنادیا
ان تلخیوں کو قند بنایا جو زہر تھیں
پھر مسکرا کے قندِ مکرر بنادیا
مولا حبیب ابنِ مظاہر کے شیب کو
تو نے شبابِ قاسم و اکبر بنادیا
مقتل میں صرف ایک تبسم کی موج نے
زنجیرِ غم کو زلفِ معنبر بنادیا
جس تشنگی کی آگ پہ تھی کربلا کی دھوپ
اس تشنگی کو چشمۂ کوثر بنادیا
جو کاٹتا ہے گردنِ شاہانِ حق شکن
اپنی رگِ گلو کو وہ خنجر بنادیا
جب پتھروں کو لوگ بتوں میں بدل چکے
تو نے بتوں کو توڑ کے پتھر بنادیا
تیرے ثبات و عزم نے خود دوشِ موت کو
اک دائمی حیات کا منبر بنادیا
یوں سر جھکا دیا کہ ردائے نیاز کو
ہم رنگ نازِ حضرتِ داور بنادیا
جس اک عدد میں دولتِ ذبحِ عظیم تھی
تو نے اس اک عدد کو بہتر بنادیا

(۴)

حسین ابن علی دُنیا کو حیراں کردیا تو نے
سراب تشنگی کو آبِ حیواں کردیا تو نے
نظر ڈالی تو ذرّوں کو جواہر میں بدل ڈالا
قدم رکھا تو شعلوں کو گلستاں کردیا تو نے
تری کشتیِ جاں کو غرق کرنے جب بڑھا طوفاں
تو خود طوفاں کو غرق کشتیِ جاں کردیا تو نے
ضمیر اہل وحشت اور ذات اہل وحشت کو
بہم پیچیدہ و دست و گریباں کردیا تو نے
جراحت کو عطا کرکے شعار بخیہ و مرہم
خزاں کو ضامن رنگ بہاراں کردیا تو نے
جو دھندلا ہوچلا پہلا ورق منشور فطرت کا
تو اپنے خونِ دل کو زیبِ عنواں کردیا تو نے
بجھی جب شمع جاں تو زیرِ موج دود پر افشاں
حقائق کو چراغِ زیرِ داماں کردیا تو نے
بنا کر شمعِ طور اپنے لہو کے گرم قطروں کو
دیار ذہن عالم میں چراغاں کردیا تو نے
بقا کے آسماں پر اک صباح نو دمک اٹھی
زمیں پر چاک جب اپنا گریباں کردیا تو نے
رہے گا یہ ترا احسان سرکارِ مشیت پر
کہ اے ابن علی انساں کو انساں کردیا تو نے

کمان بے نوا کس طرح کڑکے فرق سلطاں پر
بنی آدم کی اس مشکل کو آساں کردیا تو نے
بنا کر بات، پیغمبر کو بھی پیغمبری بخشی
چھڑک کر خون پھر قرآں کو قرآں کردیا تو نے
نظر اٹھتی ہے سوئے جوشؔ تو حیرت یہ ہوتی ہے
کہ اس کافر کو اے مولا مسلماں کردیا تو نے

(۵)

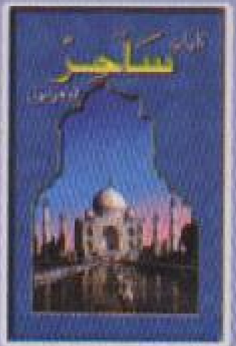
کرچکا سیر، اصل مرکز پر اب آنا چاہئے
اس زمیں پر اک نئی گیتی بسانا چاہئے
پڑ چکے ہیں سینکڑوں روح شہادت پر حجاب
مومنو! اب ان حجابوں کو اٹھانا چاہئے
استعاروں میں بیاں کرنے کے دن باقی نہیں
داستاں، اب صاف لفظوں میں سنانا چاہئے
یہ جھجک اچھی نہیں اے سوگوارانِ حسین
باندھ کر سر سے کفن میدان میں آنا چاہئے
آنچ جب آنے لگے حق پر تو بہرِ زندگی
موت کو بڑھ کر کلیجے سے لگانا چاہئے
تیغ کے دامن کی جب آنے لگے رن سے ہوا
مرد کو انگڑائی لے کر مسکرانا چاہئے
تیری پابوسی کو خم ہے کب سے پشتِ آسماں
اے مسلماں! خاک سے اب سر اٹھانا چاہئے

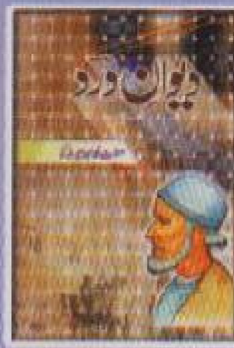
یوں ابھرنے سے رہا نقشِ حیاتِ جاوداں
زندگی پر خون کی مہریں لگانا چاہئے
آفریں اے ہمتِ مردانۂ ابنِ رسولؐ
صاحبِ غیرت کو یونہیں موت آنا چاہئے
بسترِ احمدؐ شبِ ہجرت یہ دیتا ہے صدا
اے علیؑ! مردوں کو یونہی نیند آنا چاہئے
کچھ سنا کیا کہہ رہا ہے جوشؔ! اکبر کا شباب؟
مینہ میں تیروں کے جوانی کو نہانا چاہئے

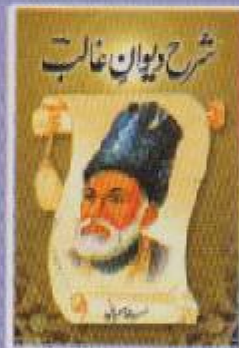
(۶)

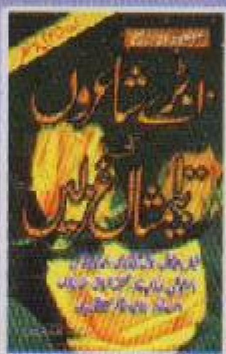
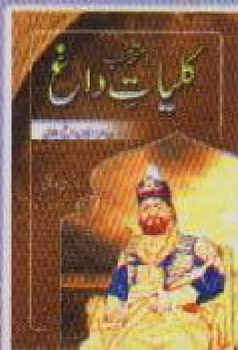
محراب کی ہوس ہے نہ منبر کی آرزو
ہم کو ہے طبل و پرچم و لشکر کی آرزو
بامِ جدال و گردرہ عزم کا ہے شوق
اورنگ کی ہوس ہے نہ افسر کی آرزو
کانٹوں پہ حق پرست بدلتے ہیں کروٹیں
بالش کا اشتیاق، نہ بستر کی آرزو
تعویذ کیا کروں گا کہ ان بازوؤں کو ہے
اژدر شکار قوتِ حیدر کی آرزو
کرنا ہے اپنے خون میں ہم کو شناوری

تسنیم کی تڑپ ہے نہ کوثر کی آرزو
اس آرزو سے میرے لہو میں ہے جزر و مد
دشتِ بلا میں تھی جو بہتر کی آرزو
رنگیں مزاجیوں کا نہیں ہے محل ہنوز
دل کو ہے خونِ مرحب و عنتر کی آرزو
رقصِ پری و شانِ خرامِ صبا، حرام
دل کو ہے ضربِ فاتحِ خیبر کی آرزو
ہاں عمرِ جاوداں کی ہمیں بھی نوید دے
اے موت، اے جوانیٔ اکبر کی آرزو
جوشؔ اس سبوئے قلب پہ کون و مکاں نثار
غلطاں ہو جس میں ساقیٔ کوثر کی آرزو

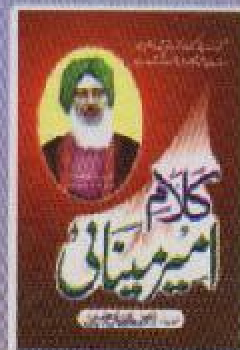






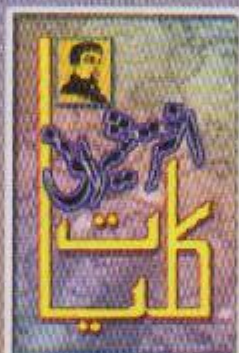






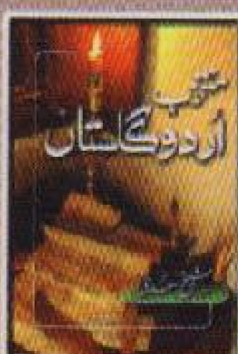


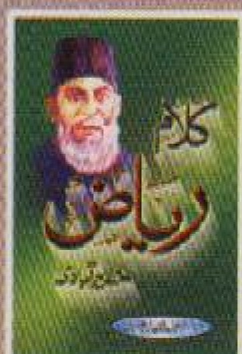


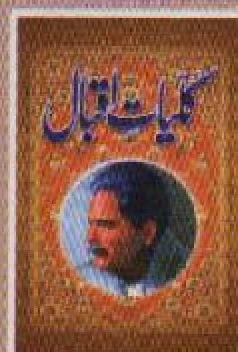










Rs. 100/-

فرید بک ڈپو (پرائیویٹ) لمیٹیڈ
FARID BOOK DEPOT (Pvt.) Ltd.
PUBLISHER & DISTRIBUTOR OF HOLY QUR'AN & ISLAMIC BOOKS
Sales Off.: 422, Matia Mahal, Jama Masjid, Delhi-6. Ph.: 23256590, 23265406, Fax: 011-23279998
Corp. Off.: 2158, M.P. Street, Pataudi House, Darya Ganj, New Delhi-2. Ph.: 23289786, 23289159
website: www.faridexport.com